مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماھنامہ نقوش اسلام

Issue.No. 11 | جنوری ۲۰۱۱ء (January.2011) محرم الحرام، صفر ۱۴۳۲ھ | VOL.No. 5

زیر سرپرستی

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبد القیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی — الحاج موسیٰ بھائی درسوت
مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی — مولانا محمد احمد صالح جی
مولانا حافظ محمد ایوب — مولانا یحییٰ بام — مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی: حافظ عبد الستار عزیزی

مدیر معاون: ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood _azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ ”نقوش اسلام“ مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ ۱۰/روپئے
سالانہ ۱۰۰/روپئے
خصوصی ۳۰۰۰/روپئے
ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۲۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: **09719639955**

منیجر توسیع و اشاعت: قاری محمد صالحین
09675335910/ 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT
Vill&P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) **EDITOR**:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

Files\A017.TIF not found. Files\A003.TIF not found. Files\A017.TIF not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
مدارس کے قیام وطعام کا نظام	محمد مسعود عزیزی ندوی	
ارشادات		۷
مرد وعورت کے باہمی تعلقات	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	
تبرکات اکابر		۱۱
مکتوب گرامی	حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری	
اصول معاشرہ		۱۳
زوجین کے لیے اسلامی بنیادی تعلیمات	مولانا شیراز الدین، لکھنؤ	
لمحۂ فکریہ		۱۷
طلبۂ مدارس میں انحطاط علمی کے اسباب	مولانا محمد حذیفہ غلام وستانوی	
تعارف		۲۲
سراج القاری شرح بخاری	محمد مسعود عزیزی ندوی	
سیرت وکردار		۲۶
صاحب کنز العمال احوال وآثار	مولانا ڈاکٹر حافظ محمد ثانی کراچی	
یاد رفتگاں		۳۴
دارالعلوم دیوبند کا بیدار مغز مہتمم نہ رہا	محمد مسعود عزیزی ندوی	
دعوت دین		۳۷
اسلام میں سو فیصد داخل ہو جاؤ!	محمد مسعود عزیزی ندوی	
ترغیبات		۴۰
دل کی دنیا مقام صبر وشکر	مولانا محمد عمر صاحب قاسمی مجاہد پوری	
تبصرے		۴۵
نئی کتابوں پر تبصرہ	مولانا رحمت اللہ ندوی نیپالی منشی عبدالغفور صاحب	
منظوم		۴۷
خراج عقیدت	علامہ سید عبدالعزیز ظفر قاسمی جنکپوری	
حالات حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبدالستار عزیزی	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰...........
٭٭ ٭٭ اول اندرونی	٭٭ ٭٭	۲۵۰۰...........
٭٭ ٭٭ آخر اندرونی	٭٭ ٭٭	۲۰۰۰...........
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰...........
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰...........
$\frac{1}{4}$ صفحہ ٭٭		۴۰۰...........

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۲۰؍ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سنیٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

مدارس کے قیام وطعام کا نظام

محمد مسعود عزیزی ندوی

آج کل ہمارے مقررین، مبلغین، داعی حضرات جب تقریر کرتے ہیں، یا کوئی اصلاحی مجلس قائم کرتے ہیں، یا اخبار یا کسی رسالہ میں مضمون لکھتے ہیں، تو جوش میں مردوزن کے بے محابا اختلاط کو پوری قوت اور تاکید کے ساتھ ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں، اور معاشرے میں اس کے جو بھیانک نتائج آشکارا ہورہے ہیں ان کی طرف اشارے بھی کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں جو حادثات اور غلط واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، ان کو بیان بھی کرتے ہیں، اور عملاً ان کی خبریں اخبارات میں آئے دن پڑھنے کو بھی ملتی رہتی ہیں، پھر جو طلبہ وطالبات مخلوط تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور ایسے اسکول وکالج جن کے یہاں Co-Eduction کا نظم ہے، ان کو بھی ہدف ملامت بنایا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں عوام کو اور طلبہ وطالبات کے وارثین کو واضح ہدایات بھی دی جاتی ہیں اور ان کی خیر خواہی میں ان کو ایسے اسکولوں سے اپنے بچوں کو ہٹانے کی ہمدردانہ اور خیر خواہانہ نصیحت بھی کی جاتی ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان چیزوں اور ان باتوں سے معاشرے میں جو بے راہ روی پھیل رہی ہے اور جو غلط باتیں، یا بے شرمی کی چیزیں پنپ رہی ہیں، ان کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، اور ان باتوں کی طرف بے چارے عوام اور ایجوکیٹیڈ، دنیوی تعلیم یافتہ لوگوں کا دھیان تو کم جاتا ہے، وہ تو اپنی جنٹل مینی اور جدت پرستی یا زمانے کی آواز میں آواز ملانے کی وجہ سے اور ''چلو ادھر کو ہوا ہو جدھر کی'' اس کی بنا پر خیال تک میں بھی یہ بات نہیں لاتے۔

ان باتوں کی طرف علماء کرام، مدارس کے ذمہ داران، مقررین اور مبلغین حضرات ہی توجہ دلاتے ہیں، چونکہ وہی اپنی دوررسی ودور اندیشی اور علم وفہم کی روشنی میں ان کے خطرناک نتائج اور خدشات کو سمجھ سکتے ہیں، مگر اس وقت حیرت ہوتی ہے جب ان کے گھروں کے اندر- گھر اس معنی میں کہ وہ مدارس کے ذمہ داران ہیں، اور مدارس کے خود مختار اور سیاہ وسفید کے مالک ہیں، اگرچہ بعض جگہ نام نہاد شورائیں بھی ہیں، مگر ان کی حقیقت ہاتھی کے دانت سے زیادہ نہیں- مدارس میں طلبہ ایک ساتھ لیٹتے ہیں، بعض جگہ تو دو دو فٹ جگہ، بعض جگہ تین تین فٹ جگہ طلبہ کو ملتی ہے، اور وہ ایک ساتھ لیٹتے ہیں، حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ جب بچے دس سال کے ہوجائیں تو ان کے بستر الگ کردو، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں کتنا بڑا پیغام ہے، اور کس اعلی اخلاق کی طرف رہنمائی ہے ''صاحب البیت ادری بما فیہ'' کے پیش نظر اس شکل میں طلبہ میں جو بداخلاقی اور اخلاقی گراوٹ پیدا ہوتی ہے، اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اور ذمہ دار کوئی بھی ہو، مگر وہ طلبہ جو اس اختلاط کی بنا پر گھناؤنے جرم اور

غیر فطری عمل کے مرتکب ہوجاتے ہیں، بعض کی زندگی تو تہہ وبالا ہو جاتی ہے، اور یہ بات نہیں کہ تمام ہی طلبہ اس سلسلہ میں بے راہ روی اختیار کر کے حد سے تجاوز کرتے ہیں، بلکہ کچھ ہی ہوتے ہیں مگر ان کا اثر بہت سوں پر پڑتا ہے، اور اس اخلاقی گراوٹ کا اگر چہ اعتراف بہت سے حضرات کو ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مہمانان رسول ہیں، ان کی نسبت بہت عالی ہے، فرشتے ان کے لیے پر بچھاتے ہیں، سمندر کی مچھلیاں ان کے لیے دعائیں کرتی ہیں، مگر بے چارے اہل مدارس کیا کریں، طلبہ کی کثرت ہے، اس کا بظاہر ان کو کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا، بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ جی سینکڑوں سالوں سے یہی نظام چل رہا ہے، ہمارے اکابرین نے اسی طرح زندگی گزاری ہے، اللہ کے بندو! اکابرین نے روکھی سوکھی کھا کر بھی تو زندگی بسر کی ہے، اس میں کیوں ان کا اتباع نہیں کیا جاتا؟۔

پھر آخر اس کا کیا حل ہے؟ حل اس کا یہ ہے کہ مدارس میں بیڈ یا تخت کا استعمال کیا جائے، بہت سے مدارس میں اس کا تجربہ سینکڑوں سالوں سے ہو رہا ہے اور وہاں اخلاقی گراوٹ کم ہے، یہ الگ بات ہے کہ جب فضا خراب ہوتی ہے، اور ماحول میں آلودگی ہوتی ہے، تو اس کا اثر ہر جگہ ہوتا ہے، مگر اس سے بچنے بچانے کی تدابیر تو اختیار کی جاتی ہیں، اور تدابیر اختیار کرنا، اور مسائل کا حل کرنا فطری تقاضہ بھی ہے، اور کسی قوم کے زندہ ہونے کی علامت بھی ہے، اس لیے تمام اہل مدارس کو اس معاملہ میں غور کرنے کی اور سوچنے کی ضرورت ہے کہ آیا کمروں میں اختلاط کے ساتھ نوجوان طلبہ کا لیٹنا، یا چھوٹے بڑے طلبہ کا ایک ساتھ لیٹنا اچھا ہے، یا الگ الگ تخت پر لیٹنا اچھا ہے، اس معاملہ کو قطع نظر کسی مصلحت، قطع نظر اکابر کے طرز عمل، قطع نظر ہمارے بڑے مدارس کے طرز کے سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے، کہ آیا الگ لیٹنا عین اسلامی طریقہ ہے، یا ایک ساتھ لیٹنا اسلامی طریقہ ہے، ہر ایک مدرسے کے معتمد اور ذمہ دار کو۔ضد اور ہٹ دھرمی سے ہٹ کر۔سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت ہے، اور اسلامی مطالبہ کو ذہن میں رکھنا ہے۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ جی ہمارے یہاں طلبہ زیادہ ہیں، جگہ تھوڑی ہے، کمرے کم ہیں، تختوں کے لیے زیادہ کمروں کی ضرورت ہے، تو ہم نہیں کہتے کہ طلبہ کم کریں، لیکن اس پہلو پر اس طرح غور تو کر ہی سکتے ہیں کہ جب وسائل کی کثرت ہے اور بالیقین ہے، جتنا خرچ پورا مدرسہ بنانے میں ہوتا ہے، اس سے کہیں زیادہ عالیشان مسجد بنانے میں، مسجد کی تزئین کرنے میں، پتھر لگانے میں ہو جاتا ہے، یا زیادہ نہ سہی بلکہ برابر یا تھوڑا کم تو ہو ہی جاتا ہے، تو کیا کچھ زیادہ کمرے بنا کے، کچھ تخت نہیں بنا سکتے، واللہ! یہ کوئی طنز وتحقیر اور کسی عجب وبڑائی کی بات نہیں بلکہ دل کی کڑھن کی بات ہے، جب قوم تعاون کرتی ہے، تو اس مد میں بھی ان سے تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ مدارس کا وجود، مدارس کا قیام یہ قوم کے طلبہ کے اخلاقیات کو درست کرنے کے لیے اور اخلاقیات کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے ہے، جب اخلاقیات کو درست کرنا ہے تو اخلاقیات کے اس شعبہ کی طرف دھیان کیوں نہیں جاتا؟ اور اگر کہیں یہ نظام ممکن نہ ہو، کہیں بھی ہندوستان میں نہ چل رہا ہو تو عذر معقول ہو سکتا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ بہت سے مدارس میں یہ نظام چل رہا ہے، اور طلبہ کے لیے تخت کا انتظام کیا جا رہا ہے، خود راقم کے یہاں بھی تخت کا نظم

ہے،اور تختوں کے لیے مستقل ایک مخیرّ سے رقم حاصل کی ہے،تو سب کو اس سلسلہ میں سوچنے کی ضرورت ہے،سب کے سر تھوپنے والی بات نہیں ہے، بلکہ ہر ایک کو اپنے تئیں اپنے مدرسے کے تئیں اور اپنے عزیز طلبہ کے تئیں غور کرنے کی ضرورت ہے، یہ نہ دیکھیں کہ کون کہہ رہا ہے بلکہ یہ دیکھنا ہے کہ بات معقول ہے یا غیر معقول،اس کے تناظر میں سوچنا ہے۔

دوسری بات مدارس میں اخلاقیات کی تعلیم کے سلسلہ میں ایک اہم بات اور عرض کرنی ہے کہ بہت سی جگہ کیا بلکہ اکثر جگہ جو کھانا تقسیم ہوتا ہے تو طلبہ کی لائن لگتی ہے اور پھر طلبہ ایک ہاتھ میں روٹی ، دوسرے ہاتھ میں سالن یا دال کا برتن اٹھائے ہوئے دوڑتے ہوئے جاتے ہیں،اگر کسی طالب علم نے لنگی پہن رکھی ہے اور وہ کھل جائے تو کیا حشر ہوگا؟ لیکن چلو ہم مانتے ہیں کہ اس کے پاس پائجامہ ہے،تو کیا یہ بھی اسلامی طریقہ ہے کہ وہ ایک ہاتھ میں دو روٹی لٹکائے جانور کی طرح اور سالن لئے جارہا ہے-معذرت کے ساتھ،الفاظ بھونڈے ہیں،مگر آپ دیکھئے کہ کیسا لگتا ہے- بہت سے اس کو بھی یہی کہیں گے کہ صاحب! سینکڑوں سالوں سے یہی طریقہ رائج ہے، بڑے بڑے اکابر اسی طرح سے بنے ہیں،ہم مانتے ہیں اس طرح سے اکابر کا بننا،مگر یہ حجت تو نہیں ہوسکتا،ہمیں اسلامی تعلیم دیکھنی ہے،اگر وہ روٹی کو دسترخوان یا کپڑے میں لپیٹ کرلے جائے اور سالن کو ڈھک کرلے جائے تو کتنا اچھا ہے،کیا یہ تہذیب نہیں ہے،ہمیں تو اخلاقیات کی بھی تعلیم دینی ہے اور تہذیب بھی سکھانی ہے،ہم رات دن مغربی تہذیب کی تو بکھیاں ادھیڑتے ہیں،مگر اپنی تہذیب کی پاسداری نہیں،اس لیے اس کا بہتر طریقہ آج کے زمانہ میں ناشتہ دان، یا ٹپن دان ہوسکتا ہے کہ اس کے ایک ڈبے میں سالن دوسرے میں روٹی رکھ کر اچھے انداز میں پردے کے ساتھ کمرے تک لے جایا جاسکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی ہال میں تمام طلبہ کو بٹھا کر کھلا دیا جائے ،اس میں کھانے کی بے ادبی بھی کم ہوتی ہے،اور اسلامی طریقہ بھی ہے کہ سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھا سکتے ہیں،اگر چہ یہ طریقہ بہت سی جگہ رائج ہوکر بند ہوگیا ہے،مگر جہاں کہیں بھی ہے،اچھا ہے،لیکن اگر یہ اپنے مدرسہ کے حالات کے لحاظ سے موزوں نہ ہو تو ناشتہ دان والا یا پھر کم سے کم دسترخوان اور کپڑے والا طریقہ تو ہونا ہی چاہئے ، جانوروں والا پہلا طریقہ اچھا نہیں ہے، یہ الفاظ تو بظاہر برے لگ رہے ہوں گے مگر اس کے علاوہ کہا بھی کیا جائے؟ سمجھانے کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے،قرآن کریم میں کہیں کتے ، کہیں گدھے، کہیں جانور جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں،تو اس لیے اس سلسلہ میں بھی غور کرنے کی ضرورت ہے،بعض حضرات اگر چہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جی دماغ کا کیڑا تو دراصل اسی طرح نکلتا ہے،یعنی مدرسہ عالیشان، کمرے عالیشان، مسجد اور مسجد کے مینارے عالیشان ،فرش عالیشان، کپڑے اور رہائش عالیشان،صرف دماغ کا کیڑا ہاتھ میں روٹی لیکر اور دال لے کر ہی نکلتا ہے،لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

ہمیں تجربہ ہے کہ ہمارے یہاں فضلا کا ایک اختصاص کا کورس ہے،تو بعض مرتبہ ان فضلاء کو ان کی بے اصولی اور بدعنوانی پر ہدایت کی جاتی ہے،روک ٹوک کی جاتی ہے اور ان کی گرفت کی جاتی ہے،تو بعض مرتبہ جو ان کے پڑھانے والے استاد ہیں، وہ

کہتے ہیں کہ یہ بھی فضلا ہیں، علماء ہیں، کم سے کم ان کا تو خیال رکھنا چاہیئے، ان کا احترام کرنا چاہیئے، میں عرض کرتا ہوں کہ بھاڑ میں جائیں ایسے علماء اور فضلا جو اصول کا خیال نہیں رکھتے ہو، یہی علماء اور فضلا جب کھانا لیتے ہیں تو ہاتھوں میں روٹی اسی طرح لے جاتے ہیں جس طرح گذشتہ آٹھ دس سال سے عادت ہے، مجھے بتلاتے بتلاتے شرمندگی ہونے لگی، کیا کہا جائے علماء امت اور فضلائے امت کو جو کل قیادت کرنے والے ہیں، وہ ایک بھی ماننے کو تیار نہیں ہے اور ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے ہیں۔

بس "انما اشکو بثی و حزنی الی اللّٰہ" اللہ ہی کو اپنا درد وغم سناتا ہوں اور امت کے سنجیدہ علماء، سنجیدہ افراد اور مفکرین کو باور کرانا چاہتا ہوں کہ کچھ سوچیں، کب تک اس پرانی روش اور ڈگر پر چلتے رہیں گے، جن چیزوں میں پرانی ڈگر پر چلنے کی ضرورت ہے، ان کو تو پس پشت ڈالا ہوا ہے اور جہاں صحیح بات بتلانے کی اور اختیار کرنے کی ضرورت ہے وہاں کہہ رہے ہیں کہ پرانا طریقہ ہی ٹھیک ہے، پرانا طریقہ وہ تو صحیح ہے جس پر صحابہ نے زندگی گزاری، اسلاف نے زندگی گزاری؛ لیکن جن چیزوں میں اللہ نے جدت اور بدعت حسنہ کے اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، وہاں انتظامی طور پر صحیح چیزوں کو "خذ ما صفا و دع ما کدر" کے پیش نظر لیا جاسکتا ہے، ان کو اختیار کرنے میں کیا مصیبت ہے؟ اللہ ہی ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور صحیح لائحہ عمل تیار کر کے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، بس اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔

❁❁❁❁❁

اطلاع عام

خانقاہ رحیمیہ رائے پور اور بزرگوں کے حالات سے واقفیت رکھنے والے اہل علم حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ خانقاہ رائے پور کے عالی مقام بزرگ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ (جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے شیخ ہیں) کی کوئی مستقل سوانح یا سیرت لکھی ہوئی نہیں ہے، جس کی فکر بہت سے حضرات اکابر کو ہے، خاص طور سے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی کو اس سلسلہ میں بہت زیادہ فکر تھی، اس لیے انہوں نے راقم آثم محمد مسعود عزیزی ندوی کو حکم فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کی سوانح حیات لکھو، اس لیے جو بھی اہل علم حضرات حضرت شاہ صاحب سے متعلق کچھ معلومات رکھتے ہوں یا کوئی مضمون لکھ سکتے ہوں، یا حضرت شاہ صاحب اور ان کی دینی و اصلاحی خدمات اور ان کے خلفاء و خانقاہ رائے پور سے متعلق معلومات فراہم کر سکتے ہوں، ان سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ بذریعہ فون، فیکس، ڈاک یا ای میل سے معلومات فراہم فرما کر ممنون فرمائیں، تاکہ کتاب زیادہ سے زیادہ وقیع اور اہم ہو سکے۔

المعلن: محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)
Mob:09719831058, Pho: 0132.2775452
فیکس: **0132-2647149** Email:masood_azizinadwi@yahoo.co.in

ارشادات

مرد وعورت کے باہمی تعلقات

افادات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ............................مرتب: مولانا محمد عزیز اللہ ندوی ادارۃ الصدیق بہٹ

نکاح ایک عبادت، ایک ذمہ داری:

نکاح زندگی کی اہم ضرورت ہے، اس ضرورت کے پورا کرنے میں سب ایک دوسرے کے محتاج ہیں، نکاح ایک اہم ترین عبادت بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی، آپ نے فرمایا: "النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی" نکاح میری سنت ہے، جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں، بیوی سے اچھے تعلقات رکھنے، اس سے ہنسنے، بولنے، اس کے حقوق ادا کرنے میں بڑا ثواب ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت میں اپنی امت کی زیادتی پر فخر کروں گا۔

کھانا پینا بھی زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے اور عبادت بھی ہے، اگر آدمی سنت کے مطابق کھائے اور نیت یہ ہو کہ اس کے کھانے سے جو قوت آئے گی، اللہ کی مرضیات پر صرف ہوگی، نیز ذہن اس طرف بھی جائے کہ اللہ تعالی یہ روزی ہمارے لیے کن کن حکمتوں سے پیدا فرماتا ہے، تو یہی کھانا کھانا جو بظاہر عبادت نہیں معلوم ہوتا، ثواب رکھتا ہے، کھانے کو اللہ تعالی نے بقائے زندگی کا ذریعہ بنایا ہے، اسی طرح نکاح اور بیوی کے حقوق کی ادائیگی کو نسل انسانی کا ذریعہ بنایا ہے ایک بار صحابہ کرام کے اس اشکال وسوال پر کہ کیا یہ بیوی سے ملنا جلنا بھی عبادت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں، اگر انسان اپنی خواہشات غلط جگہ پوری کرے تو گناہ ہے کہ نہیں؟ صحابہ کرام نے جواب دیا ضرور ہے۔

حضورؐ نے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ جو چیز گناہ سے بچائے اس میں ثواب کیوں نہیں ہے؟

مسلمانوں کی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو شریعت سے خالی ہو اور شریعت کی پابندی میں بہر حال ثواب ہے اور مخالفت یا ترک میں گناہ ہے۔

لیکن افسوس جس طرح کھانے کی سنت وعبادت سے غفلت ہی غفلت ہے اسی طرح نکاح کی عبادت سے بھی غفلت ہی غفلت ہے، نکاح ہوتا ہے، پورا خاندان خوشی مناتا ہے، سارے رشتے دار خوشی مناتے ہیں لیکن بقول ایک بزرگ کے کہ نکاح کے موقع پر سارے روٹھے منائے جاتے ہیں، نائی، دھوبی، بھشتی حتی کہ بھنگی کو بھی خوش کرلیا جاتا ہے، مگر معاذ اللہ، اللہ ورسول کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی اور کہا جاتا ہے کہ یہ تو ارمان نکالنے کا وقت ہے، سارے منہیات کئے جاتے ہیں، کھانوں میں بے جا تکلفات، جہیز کے دکھاوے، جہیز کے مطالبات، حیثیت سے زیادہ مہر، باجا گاجا اور نہ جانے کیا کیا، یادرکھو وہ ارمان ارمان نہیں جس سے اللہ ورسول کی ناراضگی ملے۔

یہ نکاح یہی نہیں کہ اس سے دو بچھڑے ہوئے دل مل جاتے ہیں، یہی نہیں کہ یہ اعزا واقربا کی ملاقات اور ان کی خدمت کا ذریعہ ہے، یہی نہیں کہ دعوتیں کھانے کھلانے اور دوست واحباب کو پوچھنے کا بہانہ ہے، بلکہ یہ اللہ کی روٹھی ہوئی رحمت کو منالینے کا بھی ذریعہ ہے، بشرطیکہ یہ نکاح، یہ شادی، یہ ولیمہ حدود شریعت اور سنت کے مطابق ہو، اس شادی سے لڑکے کے گھر میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ فرد کا اضافہ ہوتا ہے لیکن بعض نوجوان اپنی ناعاقبت اندیشی سے ایک کا اضافہ کرکے بہنوں

کونکال دیتے ہیں، یعنی ماں، باپ، بھائی بہنوں وغیرہ کو بھول کر صرف بیوی کے ہو رہتے ہیں، یاد رکھو جس اللہ کے نام سے دو غیر ایک ہوئے ہیں، اسی کا حکم ہے "واتـقـوالله الذی تساء لون به والارحام" جس اللہ کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو تم بھی اس اللہ سے ڈرو اور قرابتوں کا لحاظ رکھو، ماں کا خیال رکھو، باپ کا خیال رکھو، بھائی بہنوں کی محبت باقی رکھو اور تمام عزیزوں کے حقوق ادا کرو اور بیوی سے بھی محبت والفت سے پیش آؤ، اس کے حقوق بھی ادا کرو۔

شادی کا پیغام:

شادی کا پیغام یا منگنی کی رسموں کے بارے میں غالباً ہندو اور مسلمانوں میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، اس میں خاندانی حیثیت، اقتصادی حالت اور رسم ورواج کی پابندی اور عدم پابندی کو بہت دخل ہے، جدید تعلیم اور تمدن ان سب چیزوں پر یکساں اثر انداز ہوا ہے۔

شادی محض ایک ضرورت کی تکمیل ہی نہیں ہے بلکہ یہ بہت بڑی عبادت ہے، اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذریعہ ہے، جیسے نماز، کوئی اور فرق نہیں ہے، صرف صورت کا فرق ہے، یہ نکاح محض رسم نہیں ہے، اسلام میں رسمی اور رواجی چیزوں کا تصور ہی نہیں، یہاں آ کر یہ تصور پیدا ہوگیا ہے، مگر ہے عبادت، عبادت ہی کے ذہن سے نکاح کیا جائے اور عبادت ہی کے ذہن سے اس میں شریک ہوا جائے۔

نکاح میں اسلاف کا طریقہ کار:

اسلام میں نکاح کا فریضہ اور شادی کی تقریب بہت سادہ اور مختصر تھی، اس کو زندگی کے ایک فریضہ، ایک فطری تقاضہ اور ایک عبادت کی حیثیت سے ادا کیا جاتا تھا، صرف ایجاب وقبول کے دو لفظ اور دو گواہ اس کے لیے ضروری ہیں، اس کا مقصد یہ ضمانت ہے کہ یہ تعلق مجرمانہ اور رازدارانہ طریقہ پر اور چوری چھپے نہیں ہے، اسی لیے کسی قدر اعلان اور تشہیر کے ساتھ اس کا ہونا ضروری ہے، اور اس کے لیے گواہ لازمی ہیں، مرد مہر کا ادا کرنا ضروری سمجھے، اور عورت کی حفاظت وعزت اور اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری لے، اس کے سوا کوئی اور چیز ضروری نہ تھی، اسلام کی تاریخ میں اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ باوجود اس کے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم اور مدینہ کی آبادی محدود تھی، بعض ایسے صحابیوں نے جو مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اور جن کے رسول سے نہایت گہرے خاندانی اور وطنی تعلقات تھے، مدینہ میں شادی کی اور خود پیغمبر اسلام کو (جن کی شرکت باعث برکت بھی اور موجب عزت بھی تھی) محفل نکاح میں شرکت کی دعوت کی ضرورت نہیں سمجھی اور آپ کو اس پر مسرت واقعہ کا علم واقعہ کے انجام پائے جانے کے بعد کسی قرینہ سے ہوا۔

نکاح کے وقت مختصر سی تقریر اور حقوق زوجین کا ذکر:

اب کچھ عرصہ سے بہت سے علماء خطبہ کا عربی حصہ اور آیات پڑھنے کے بعد اردو میں مختصر تقریر کرنے لگے ہیں، جس میں نکاح کی حقیقت اور اس کے فرائض اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور کوشش کی جاتی ہے کہ محض رسمی اور تفریحی ہو کر نہ رہ جائے بلکہ اس میں نوشہ اور حاضرین مجلس کو دینی اور اخلاقی پیام ملے اور ان کے اندر احساس ذمہ داری بیدار ہو۔

ایک تقریر کا نمونہ:

یہاں اس تقریر کا ایک نمونہ درج کیا جاتا ہے جو ایک محفل نکاح میں ریکارڈ کر لی گئی تھی اور جو اس اصلاحی طرز کی بہت حد تک نمائندگی کرتی ہے، خطبہ مسنونہ کے بعد!

"اعوذبالله من الشیطان الرجیم ، بسم الله الرحمن الرحیم یـایها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق مـنهـا زوجها وبث منهما رجالاً کثیراً ونساء واتقوا الله الذی تساء لون به والارحام ان الله کان علیکم رقیباً"۔

"یـایهـاالـذیـن آمنوا اتقوالله حق تقاته ولاتموتن الا وانتم مسلمون"۔

"یایهاالذی آمنوا اتقوا الله وقولوا قولاً سدیدا یصلح لکم

اعمالکم ویغفرلکم ذنوبکم ومن یطع اللّٰہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً‘‘۔

حضرات! یہ نکاح محض رسم ورواج کی پابندی اور محض نفس کے تقاضے کی تکمیل نہیں، نکاح کی سنت ایک عبادت نہیں بلکہ متعدد عبادتوں کا مجموعہ ہے، اس سے ایک حکم شرعی نہیں، درجنوں اور بیسیوں شرعی احکام متعلق اور وابستہ ہیں، اس کا مقام قرآن شریف میں بھی اور حدیث میں بھی ہے اور فقہ کی کتابوں میں تو اس کا مستقل باب ہے، لیکن اس سنت سے غفلت اتنی عام ہے، جتنی کسی اور سنت اور فریضہ سے نہیں، بلکہ اس کو اللہ کی نافرمانی، نفس کی رعونت، شیطان کی اطاعت، رسم ورواج کی پابندی کا میدان بنالیا گیا ہے، اس میں ہماری زندگی کے لیے پورا پیام ہے، اس کا اندازہ آپ قرآن شریف کی ان آیات ہی سے کرسکتے ہیں جن کا پڑھنا خطبۂ نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جو شروع میں پڑھی گئی ہیں، پہلی آیت میں نسل انسانی کے آغاز کا تذکرہ ہے جو اس مبارک موقع پر نہایت مناسب اور فال نیک ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ایک اکیلی ہستی تھی اور ایک رفیقۂ حیات جن سے اللہ تعالی نے نسل انسانی کی تخلیق کی جس نے روئے زمین کو بھر دیا، اللہ تعالی نے ان دو ہستیوں میں ایسی محبت والفت اور ان کی رفاقت میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ آج دنیا اس کی گواہی دے رہی ہے، تو خدا کے لیے یہ کیا مشکل ہے کہ ان دو ہستیوں سے جو آج مل رہی ہیں ایک کنبہ کو آباد اور ایک خاندان کو شادو بامراد کردے۔

پھر فرماتا ہے اپنے اس پروردگار سے شرم کرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔

حضرات! ساری زندگی مسلسل او رمکمل سوال ہے، تجارت، حکومت، تعلیم، سب ایک طرح کے سوالات ہیں، ان میں ایک فریق سائل ہے، دوسرا فریق مسئول، پھر ہر سائل مسئول ہے اور ہر مسئول سائل ہے، ہم اپنے معاشرہ میں پست سے پست انسان کے سائل ہیں، اس لیے کہ ایک کی ضرورت دوسرے سے وابستہ ہے، اس سے کوئی فرد بشر بچ نہیں سکتا، یہی متمدن زندگی کا خاصہ ہے، یہ عقد اور یہ نکاح کیا ہے؟ یہ بھی ایک مہذب اور مبارک سوال ہے، ایک شریف خاندان نے ایک دوسرے خاندان سے سوال کیا کہ ہمارے نورعین اور لخت جگر کو رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے، اس کی زندگی نامکمل ہے، اس کی تکمیل کیجئے، دوسرے شریف خاندان نے اس سوال کو خوشی سے قبول کیا پھر وہ دونوں اللہ کا نام بیچ میں لاکر ایک دوسرے سے مل گئے اور دو ہستیاں جو کل تک ایک دوسرے سے سب سے زیادہ بیگانہ، سب سے زیادہ اجنبی اور سب سے زیادہ دور تھیں وہ ایسی قریب اور یگانہ بن گئیں کہ ان سے بڑھ کر یگانگت اور قرب کا تصور بھی نہیں ہوسکتا، ایک کی قسمت دوسرے سے وابستہ اور ایک کا لطف وانبساط دوسرے پر منحصر ہوگیا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، جس نے حرام کو حلال، ناجائز کو جائز، غفلت اور معصیت کو طاعت وعبادت بنادیا اور زندگیوں میں انقلاب عظیم برپا کردیا، اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اب اس نام کی لاج رکھنا، بڑی خودغرضی کی بات ہوگی کہ تم یہ نام درمیان میں لاکر اپنی غرض پوری کرلو اور کام نکالو، پھر اس پرعظمت نام کو صاف بھول جاؤ اور زندگی میں اس کے مطالبات پورے نہ کرو، آئندہ بھی اس نام کو یاد اور اس کی لاج رکھنا، پھر فرمایا کہ ہاں رشتوں کا بھی خیال رکھنا ’’واتقوا اللّٰہ الذی تسآء لون بہ والارحام‘‘ اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو اور ارحام سے بچو، آج ایک نیا رشتہ ہورہا ہے، اس لیے ضرورت پڑی کہ قدیم رشتوں کا بھی ذکر کردیا جائے کہ اس رشتہ سے قدیم رشتوں کا دور اور ان کے حقوق ختم نہیں ہوجاتے، ایسا نہ ہو کہ بیوی کے رشتہ کو یاد رکھو اور ماں کے رشتہ کو بھول جاؤ، خسر کی خدمت ضروری سمجھو اور اپنے حقیقی اور فطری باپ سے منہ موڑ لو، اگر کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ ایسی باتوں کی کون نگرانی کرے گا اور کون ہمیشہ ساتھ رہے گا تو فرمایا ’’ان اللّٰہ کان علیکم رقیباً‘‘ کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے، اللہ اس پر نگراں ہے، یہ

وہ گواہ ہے جو ہر وقت ساتھ رہے گا۔

دوسری آیت میں ایک تلخ مگر ناگزیر حقیقت کو یاد دلایا گیا ہے کہ خدا کے پیغمبر ہی کی شان ہے کہ ایسی محفل مسرت وشادمانی میں ایسی تلخ حقیقت کا ذکر کرے، جس سے آدمی اپنے انجام سے غافل نہ ہونے پائے اور اس دولت پر نظر رکھے جو ساتھ جانے والی اور ہمیشہ ساتھ رہنے والی ہے، یعنی دولت ایمان، فرمایا کہ زندگی کتنی ہی پر مسرت، اقبال منداور طویل ہو، اس کی فکر رکھنا کہ اس کا اختتام خدا کی فرمانبرداری اور ایمان ویقین پر ہو، یہی وہ حقیقت ہے جس کو دنیا کے ایک کامیاب ترین انسان، جس کو اللہ نے فضل وکمال، دولت واقبال، جاہ وجلال اور حسن وجمال سب کی دولت سے مالا مال کیا تھا، نقطۂ عروج پر پہنچنے کے بعد بھی نہ بھولنے پایا، حضرت یوسف علیہ السلام کی وہ دعا یاد کیجئے جو انہوں نے اپنے زمانہ کے انتہائی عروج اور عزت حاصل کرنے کی حالت میں کی، ان کے الفاظ تھے: ”رب قد آتیتنی من الملك وعلمتنی من تاویل الاحادیث فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرة توفنی مسلما والحقنی باالصالحین“۔ (سورہ یوسف)

اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہ تک پہنچنا سکھایا، زمین وآسمان کے بنانے والے تو ہی دنیا وآخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔

حضرت فاطمہؓ سے حضرت علی کرم اللہ وجھہ کا عقد:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے کم سن صاحبزادی تھیں، ان کی عمر ١٨ ر سال کی ہو چکی تھی اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے، حضرت علی نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ کی مرضی دریافت کی اور وہ چپ رہیں، یہ ایک طرح کا اظہار تھا، آپ نے حضرت علی سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں، آپ نے فرمایا وہ حطینہ کی زرہ کیا ہوئی جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی، عرض کی وہ تو موجود ہے، آپ نے فرمایا کہ بس تو کافی ہے۔

ناظرین کو خیال ہو گیا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی، لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا سو روپئے کے سوا اور کچھ حضرت علی کا جو سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی، حضرت علی نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہرا کے نذر کیا، حضرت علی اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی پاس رہتے تھے، شادی کے بعد ضرورت ہوگی الگ گھر میں، حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے، جن میں سے وہ کئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کر چکے تھے، حضرت فاطمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ انہی سے اور مکان دلوا دیجئے، آپ نے فرمایا کہاں تک، اب ان سے کہتے کہتے شرم آتی ہے، حارثہ نے سنا تو دوڑ آئے کہ حضور! میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے، خدا کی قسم جو مکان لے لیتے ہیں مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے، غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا، حضرت فاطمہ اس میں ٹھہر گئیں۔

شہنشاہ کونینؐ نے سیدہ فاطمہ کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے، حضرت فاطمہ جب نئے گھر میں جا لیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے، ایک برتن میں پانی منگوایا، دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علی کے سینہ اور بازوؤں پر چھڑکا پھر حضرت فاطمہ کو بلایا، وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔

تبرکاتِ اکابر

مکتوب گرامی حضرت اقدس
مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ

یہ مکتوب قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ نے ۲۹ر فروری ۱۹۱۶ء کو اپنے ایک خاص مرید واہل تعلق شاہ زاہد حسین صاحبؒ رئیس بہٹ کو لکھا تھا، جس میں تین اہم باتوں کا ذکر ہے، چونکہ اس خط میں ہر مومن بندے کے لیے ایک اہم سبق ہے، اس لئے اس کو افادۂ عام کی غرض سے شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

از قضا آئینہ چینی شکست
خوب شد اسباب خود بینی شکست

از احقر عبدالرحیم

عزیزم شاہ زاہد حسین صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل زبانی مولوی احمد شاہ صاحب کی معلوم ہوا کہ مقدمہ خلاف ہوا، اس خبر سے بہت صدمہ ہوا؟ آپ کے قلب پر جو کچھ صدمہ ہے، اس سے اپنی طبیعت کو بہت کچھ کوفت ہوئی، تغیرات اور حوادث تو اس عالم کا ایک لازمی امر ہے، یہ تو کچھ زیادہ اہم طبیعت پر نہیں، البتہ آپ کے صدمہ کا بہت زیادہ طبیعت پر اثر اور خیال ہے، لہٰذا چند باتیں عرض کرتا ہوں، بحمد اللہ تعالیٰ حق تعالیٰ نے جناب کو فہم صائب مرحمت فرمایا ہے اور بصیرت دینی بھی مرحمت فرمائی ہے، لہٰذا کچھ لکھنے کی جرأت کرتا ہوں۔

آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں " عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیرلکم" ممکن ہے کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو، جب مومن کو کانٹا بھی بلا نفع کے نہیں لگتا تو اور صدمات کا تو کیا ذکر ہے، جو غم اور صدمہ مومن کو پہنچتا ہے وہ سیئات (گناہوں) کا کفارہ ہوا کرتا ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ یہ مضمون حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندے کو یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں ہی گناہوں سے پاک ہوجائے اور زمین پر چلے اور اس پر کوئی گناہ نہ ہو، تو حق تعالیٰ اس پر غم بھیجتے ہیں، یہ غم آگ کا کام دیتا ہے کہ سب میل کچیل کو جلا کر پاک کردیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ "انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب" صابروں کو بے حساب اجر دیا جائے گا، لہٰذا حدیث شریف میں آیا ہے کہ "جو میری بلا پر صبر نہ کرے اور میری قضا پر راضی نہ ہو، اس کو چاہئے کہ میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے اور کوئی اور خدا ڈھونڈ لے"۔

دوم یہ خیال کرنا چاہئے کہ جو کچھ نعمتیں دینی اور دنیوی حق تعالیٰ نے تم کو عطا فرما رکھی ہیں، یہ محض اس کی عطا ہی تو ہے، کوئی اپنا استحقاق تو نہیں ہے کہ اس کے بندے بے شمار ہیں، جو ہر طرح سے ذلیل وخوار مصائب میں مبتلا ہیں، یہ محض اس کا انعام ہے کہ تم کو دین اور دنیا کی وہ نعمتیں مرحمت فرمائی ہیں کہ جن کا احصاء او رشمار طاقت سے باہر ہے "وان تعدوا نعمة الله لاتحصوها" (اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو کر نہیں کر سکتے)۔

جس میں ایک نعمت کا شکر ہی ادا کرنے سے بندہ عاجز ہے، کہ تم ان نعمتوں کا خیال کرو اور اس کے مقابلہ میں اس ذرا سے صدمہ کو سوچو

کہ کیا حقیقت رکھتا ہے۔

تیسری بات یہ خیال کرنے کی ہے کہ متصرف حقیقی کون ہے؟ فتح وشکست، اقبال وادبار، موت وحیات اور باقی سب تغیرات کس کی طرف سے ہوتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس میں کسی کو دخل نہیں، اسی وحدہ لاشریک کا ہی کام ہے، زید وعمر ظاہری اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتے، جب یہ اسی کی طرف سے ہے تو جن بندوں کو حق تعالی نے ''فہم خاص'' مرحمت فرمایا ہے ان کا ظاہر کچھ اور ہوتا ہے اور باطن کچھ اور، باطن چونکہ یہ دیکھ رہا ہے کہ سب امور محبوب حقیقی کا تصرف ہے، لہٰذا اس پر راضی ہے اور مطمئن ہے، صبر ہی نہیں، بلکہ اپنے مالک کا تصرف سمجھ کر اس سے لذت لے رہا ہے، اور ظاہر اسباب سے کام لیتا ہے، اسباب ظاہری کو تقاضائے حکمت سمجھتا ہے، لہٰذا اس کی تدبیر میں مشغول ہوتا ہے، نتیجہ کو موقوف اسباب پر نہیں سمجھتا ہے۔

میں خوب جانتا ہوں کہ تم کو اگر زیادہ خیال ہے کہ تو شماتت اعداء (دشمنوں کا مذاق) کا ہے، مگر یہ سوچو جب میاں اسی کو پسند کرتے ہیں اور اسی میں کوئی بیش قیمت نفع ومسرت تمہارے لیے رکھی ہے، تو پھر جو ہر قلب سے اس کو نعمت سمجھ کر قدر کے ساتھ اس کو قبول کرنا چاہئے، خیالات طبعی کو اس کے مقابلہ میں رد کرنا چاہئے کہ بندہ وہی ہے جو اپنے آپ بالکل سپرد اپنے مالک کے کردے، اپنی خواہش کو کسی امر میں دخل نہ دے، خدا تعالی نے سکھلایا ''وافوض امری الی اللّٰہ'' میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔

جب آپ کو یہ معلوم ہے کہ حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر باقی تمام انبیاء علیہم السلام کو صدمات اور غم والم کا حصہ اس درجہ پہنچا ہے جو کسی کو مخلوق میں اس قدر نہیں پہنچا اور پھر متبعین پر جس کسی کو زیادہ مناسبت انبیاء علیہم السلام سے ہے، یہ صدمات اس کا حصہ ہے تو معلوم ہوا کہ بندوں کو ان صدمات کے پہنچنے میں بہت بڑی رحمت اور حکمت پوشیدہ ہے، زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

بحمد اللہ تعالی آپ ہر طرح سے دانا ہیں، اس فانی صدمہ کو جو انشاء اللہ عنقریب کسی بڑی خوشی کا مقدمہ ہے، آپ ہرگز بھی رائی کے دانہ کے برابر بھی اپنے قلب میں جگہ نہیں دیں گے، شیطان اگر یہ وسوسہ طبیعت میں ڈالے کہ اپنی دعا کا کچھ اثر نہیں ہوا، اس پر لاحول پڑھنی چاہئے، کیوں کہ حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ بتلا دیا ہے کہ قیامت کو ان دعاؤں کا بدلہ جب ملنے لگے گا کہ جو حسب خواہش دنیا میں پوری نہیں ہوتی، تو اس وقت سب یہ حسرت کریں گے کہ اگر ہماری کوئی بھی دعا دنیا میں نہ پوری ہوتی تو بہت اچھا ہوتا کہ آج یہ اس کا اجر جو اس سے بے انتہا بڑھا ہوا ہے، لیتے۔

غرض ایمان کی آنکھ اور ہے، اس کا یہ اثر ہے کہ کوئی حالت بندے پر ہو، اس کے قلب کے لیے موجب تسکین ہی ہوتی ہے، بلکہ غم اور الم کے اندر ایک ایسا ذائقہ پاتا ہے جو اپنی خواہش کے موافق کام ہونے میں ہرگز نہیں پاتا اور جس کی آنکھ ایمان کی گدلی ہے، اس اسفل اور ناپائیدار اور مردار دنیا ہی پر اس کی نظر کا انحصار ہے، اس کی خوشی وغم فقط اپنی خواہش کے پورا ہونے یا نہ ہونے پر منحصر ہے جو بہت جلد فنا ہونے والا ہے۔

یہ چند باتیں جو اصل، یقینی اور باقی ہیں عرض کی گئی ہیں، امید ہے کہ اس مضمون کو جو ہر قلب میں جگہ دے کر آنجناب بالکل مطمئن ہوں گے، باقی ظاہری اسباب کی تدبیر کرنا، یہ اور بات ہے، اس میں مضائقہ نہیں، مگر ہمیشہ کو اصل سرمایہ قلب کا یہی ہونا چاہئے، جو عرض کیا گیا ہے، چونکہ آپ کی طرف کا بہت خیال لگ رہا ہے، اس وجہ سے اس عریضہ کے لکھنے کی ضرورت پڑی۔

والسلام

عبدالرحیم رائے پوری ۲۹/فروری ۱۹۱۶ء

اصلاح معاشرہ

زوجین کے لیے اسلامی بنیادی تعلیمات

مولانا شیراز الدین صدر مولانا علی میاں ندوی فاؤنڈیشن، لکھنؤ

تمہید:

تمام کبائر جیسے کفر، شرک، شراب، زنا، چوری، جوا اور قتل ناحق سے مکمل اجتناب کریں۔

تمام منکرات جیسے ظلم، زیادتی، جھوٹ، دغا بازی، خیانت، ریاکاری، چغل خوری، غیبت، عہد کی خلاف ورزی، علم نجوم اور سحر وجادو سے اجتناب کریں۔

تمام منہیات جیسے رشتہ داروں سے تعلقات منقطع کرنا، اکل حرام، پڑوسیوں، رشتہ داروں، بیوی، بچوں کے حقوق کی پامالی، غرور وتکبر، جھوٹی گواہی، محصنات پر تہمت لگانا، اللہ کے راستے سے روکنا، آپس میں فتنہ وفساد برپا کرنے سے اجتناب کریں، جن جن صفات دین کو اللہ نے پیدا کرنے کا حکم دیا ہے، اسے اپنے اندر بدرجہا اتم پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

خالص عقیدہ، صحیح فکر، نیکی، تقوی، صبر وتحمل، عفو ودرگزر، حلم وبردباری، وسیع النظری، علم وفہم، تدبر وفراست، احتساب نفس، صلہ رحمی، اسلامی اٹوٹ محبت، اتحاد واتفاق، بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں پر شفقت، محتاجوں، کمزوروں، غریبوں، قیدیوں، مسافروں کی خدمت جن باتوں پر اللہ ورسول نے مامور کیا ہے ان کو حسن وخوبی کے ساتھ پائے تکمیل کو پورا کرنے کے لیے ہمیشہ متحرک ومنہمک رہنا اصلاح، منکرات ومنہیات، دعوت الی اللہ، خدمت خلق، تربیت، ترغیب، جدوجہد فی سبیل اللہ جیسے اہم بنیادی اصول حیات ہیں، مسلمان میاں بیوی کو خوشحال اسلامی زندگی گزارنے کے لیے چند اہم ضروری اصول دیئے گئے ہیں جو اس طرح ہیں۔

شوہر کے اصول:

۱-شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیوی سے محبت کرے، اس کے ساتھ رحم وکرم وشفقت کا معاملہ کرے۔

۲-شوہر بیوی پر اتنا گھریلو کام کاج کا بوجھ نہ ڈالے، جس سے اس کی صحت پر اثر پڑے اور آرام میں خلل پڑے بلکہ شوہر اگر ہو سکے تو خود گھریلو کاموں میں بیوی کا ہاتھ بٹائے۔

۳-شوہر بیوی کو مشترکہ خاندان میں رہنے کے لیے مجبور نہ کرے۔

۴-شوہر بیوی سے بدکلامی نہ کرے بلکہ نزاع کی صورت میں افہام وتفہیم سے کام لے۔

۵-سخت سے سخت مالی مشکلات اور معاشی پریشانیوں میں بیوی کو ہرگز مجبور نہ کرے کہ پیسوں کا بندوبست کرے یا مال کما کر یا قرض کہیں سے لائے۔

۶-شوہر کے لیے ضروری ہے کہ بیوی کی حتی الوسع ہر جائز خواہش کو پورا کرے اور خوشحال رکھنے کی کوشش کرے۔

۷-شوہر کو ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان کے درمیان سہولتوں کو فراہم کرے، اوقات، اخراجات، مال ودولت کی تقسیم میں عدل وانصاف سے کام لے۔

۸-بیوی کے بھائی اور بہن نہ ہونے کی صورت میں ضعیف ساس وخسر کی دیکھ بھال کے لیے ان کی خواہش کے مطابق اپنے ساتھ رکھنے میں تردد سے کام نہ لے۔

۹-شوہر بیوی کے مال ودولت کو بطور امانت رکھے، اسے ہرگز تصرف میں نہ لائے، یہ شوہر کے وقار کے خلاف بات ہے، کیونکہ ذرہ برابر اونچ نیچ مسائل پیدا کرسکتے ہیں۔

۱۰-شوہر بیوی کے اچھے مشوروں اور کارآمد باتوں کو ضرور تسلیم کرے، لیکن آپسی محبت بیوی کی غلامی میں نہ تبدیل ہوجائے اور نہ ہی چند عرصہ گزارنے کے بعد بیوی خاندان پر خود ساختہ حاکم بن جائے اس کا خاص خیال رکھے۔

۱۱-سسرالی رشتہ داروں اور اپنے بھائی بہن، والدین ورشتہ داروں کی مہمان نوازی، خدمت وتعاون میں توازن برقرار رکھے۔

۱۲- شوہر بیوی کی فضول خرچی وشاہ خرچی، اسراف کے تمام دروازے محبت سے بند کردے، اہلیہ وبچوں کو حساب وکتاب سے خرچ کرنے کا پابند بنائے۔

۱۳-شوہر بخل سے کام نہ لے اور نہ جائز ضرورتوں کے لیے ہاتھ روک دے، بلکہ وقت ضرورت علاج، صحت، سیر وتفریح اور اچھے کھانوں اور لباس پر اعتدال کے ساتھ خرچ کرے۔

۱۴- نامحرم سسرالی خواتین خاص کر سالیوں سے پردہ کرے ان کی نشستوں میں نہ بیٹھے بلکہ ان سے محتاط رویہ رکھے۔

۱۵-شوہر گھر پر غیر ضروری طور پر روزانہ رات دیر گئے تک اپنے دوستوں کی ہنسی ٹھٹھا کی محفلیں نہ جمائے اور نہ ہی بیکار لوگوں کے لیے اڈہ کے طور پر گھر کا کوئی کمرہ گوشہ استعمال کرے، دعوتوں کا ضرور اہتمام کرے؛ لیکن دوستوں کی محفلوں کو مقصدی نہ بنائے۔

۱۶- دوست احباب کی فیملی بے پردہ، بے تکلف ہو تو اپنی فیملی کو بھی بے پردہ اور بے تکلف نہ ہونے دیں، ایسے فیملی روابط سے اجتناب کریں۔

۱۷-اپنے مسائل ومشکلات سے کسی حد تک بیوی کو واقف کروایا جائے، بھیانک مسائل اور پریشان کن معاملات کے سلسلہ میں خاموش رہیں کیونکہ اکثر ناتجربہ کار بھولی بھالی عورتیں بہت جلد پریشان ہوجاتی ہیں۔

۱۸-شوہر کا اپنی بیوی کو دن بھر کی دوڑ دھوپ کی تفصیلی رپورٹ دینا بھی مناسب نہیں، بلکہ شوہر مردانہ کی باتوں کو مردانہ کی حد تک رکھیں تو بہتر ہے۔

۱۹- شوہر بیوی کو خیر وحق، دعوت الی اللہ کے کاموں کی ترغیب دے اور انفرادی واجتماعی طور پر جدوجہد فی سبیل اللہ سے منسلک کرانے کی حتی المقدور کوشش کرے۔

۲۰-اللہ کی رضا کے لیے بیوی کو ہر بڑی چھوٹی قربانی کے لیے تیار کریں، پکوان اور روزمرہ کے معاملے میں سختی نہ کریں بلکہ سختی دعوت الی اللہ اور جدوجہد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں کریں، ایک جانب اپنے آرام اور روزمرہ کے امور کی انجام دہی کے لیے سختی اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا پھر دوسری جانب اسلامی سرگرمیوں کے سلسلہ میں کوئی توجہ نہ دینا مسلمان شوہر کا شیوہ نہیں ہے۔

۲۱-شوہر بیوی کو گھر میں الکٹرانک تفریحات کے مضر اثرات سے واقف کرواکر اس سے اجتناب کرنے کی ترغیب دے اور فلمی ویڈیو، آڈیو کیسٹس اور انٹرنیٹ کی فحاشی پر پابندی لگائیں، عدول حکمی کی صورت میں سختی سے ان برائیوں کو گھر سے نکال کر کریں لیکن سختی اتنی نہ کریں کہ وہ شدت اختیار کرجائے اور مار پیٹ شروع ہوجائے۔

۲۲- بیوی کی تباہ کن فیشن پرستی، حد سے زیادہ آزادی، فسق وفجور کے میلانات کے باوجود اصلاح کی تمام تر کوشش کے باوجود کوئی تبدیلی نہ آئے تو ایسی اہلیہ سے ہمیشہ کے لیے دوری اختیار کرلینا بہتر ہے تاکہ نئی نسل کے ایمان واسلامی کردار کو محفوظ رکھا جاسکے۔

بیوی کے لیے اصول:

۱- بیوی کے لیے لازمی ہے کہ وہ سب سے پہلے صحیح مومنہ بننے کی کوشش کرے، حرام، منکرات اور منہیات سے اجتناب کرتے ہوئے فرائض وواجبات، سنن اور مستحبات کی پابندی کرے۔

۲-شوہر کو ہر حال میں خوش رکھے، گھر کے ماحول کو خوشگوار بنائے

رکھے، بستر سے لے کر دستر خوان تک اس کی خوشی کا خیال رکھے۔

۳- بغیر شوہر کی اجازت کے کسی سے قرض نہ لیں، اپنے اور اندرونی خواہشات کو کنٹرول میں رکھنے کا مادہ پیدا کرے۔

۴- بیوی شوہر کی آمدنی پر نظر رکھے اور اگر رشوت، سود، دھوکہ دہی حرام طریقوں سے کمایا گیا مال ہو تو بیوی پر لازم ہے کہ وہ شوہر کو ترغیب دے کہ حرام آمدنی کے ذریعہ گھر کا خرچ چلانا بند کر دے، بار بار ترغیب دلانے کے باوجود اصلاح نہ ہو تو اپنا کھانا بند کر دے اور میکے میں اپنا انتظام کر لے؛ لیکن حرام لقمے کو حلق سے نہ اتارے۔

۵- حجاب و پردہ کا سخت اہتمام کرے جب بھی باہر نکلے حجاب کے ساتھ نکلے، بغیر شوہر کی اجازت کے نامحرم اور غیر معروف لوگوں کو نہ آنے دے اور نہ ہی غیر معروف محرم و معروف رشتہ داروں کے گھر بلا ضرورت بار بار جائے۔

۶- شوہر کی اجازت کے بغیر روز مرہ کے اخراجات کے علاوہ بڑے بڑے خرچے نہ کرے اور نہ ہی فضول خرچی کرے بلکہ امین کے طور پر مال کی حفاظت کرے۔

۷- اپنی خواہشات کی تکمیل کا مطالبہ شوہر کے بجٹ کے لحاظ سے کرے، زیورات اور کپڑوں کے لیے اتنا پریشان نہ کرے کہ بار بار قرض لینے کی نوبت آئے، معاشی تنگی، سخت دشوار کن حالات میں شوہر کی ہمت باندھے اور حالات کا مقابلہ کرنے میں شوہر کا ساتھ دے، ان حالات میں استقامت کے ساتھ شریک حیات کا مکمل ساتھ دے۔

۸- سسرالی رشتہ داروں سے نفرت نہ کرے اور نہ ہی ان کی عمومی خدمت اور مہمان نوازی سے کترائے، صحت مند ساس وخسر کی خدمت گوکہ لازم نہیں ہے لیکن اسلامی جذبہ خدمت کے تحت ان کی حتی المقدور خدمت کی کوشش کرے اور ضعیفی میں انہیں گھر سے نہ نکالے، نندوں اور ساس ودوسرے کی اہانت سے پرہیز کرے، رشتوں کا احترام کرے۔

سسرالی نامحرم رشتہ داروں سے پردہ کرے اور خاص کر دیور، جیٹھ، نندوئی وغیرہ سے بھی مکمل پردہ کرے، سسرال زیر پرورش بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے اور مہمان نوازی میں کوئی کسر باقی نہ رکھے، غریب سسرالی رشتہ داروں کا خاص خیال رکھے۔

۱۰- شوہر کے دوست واحباب کے تعلق سے معلومات رکھے، بدکردار، بداخلاق اور برے دوستوں سے دور ہونے کی شوہر کو ترغیب دے اور کوشش کرے کہ شوہر اچھے صاف ستھرے نیک ماحول میں ہمیشہ رہے۔

۱۱- شوہر اپنی دوسری بیویوں سے عدل وانصاف کا معاملہ کرے تو اعتراض نہ کرے اور نہ ہی اپنی سوتن کو برا بھلا کہے، سوتنوں سے اچھے تعلقات قائم رکھے اور حسن اخلاق سے پیش آئے۔

۱۲- گھر پر فضول قسم کی خواتین کی آمد ورفت کو محدود کر دے، اور مجالس غیبت وبہتان ہرگز جمنے نہ دے، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوست واحباب کے خلاف غیبت، چغلی، حسد بدگوئی نہ کرے اور نہ ہی کسی کے نجی معاملات میں دخل دے۔

۱۳- شوہر کو کبائر فسق وفجور میں ملوث ہونے اور حرام ومنکرات میں شرکت نہ کرنے کی ترغیب دے، باز نہ آنے پر بستر سے علیحدہ ہوجائے، تقوی اور نیکی کی بات یہ ہے کہ شوہر جو اصلاح اور توبہ کے لیے ہرگز تیار نہ ہو تو اس سے خلع لے لے۔

۱۴- اگر شوہر دین کی سرگرمیوں اور اللہ کے کاموں سے روکے اور "یصدون فی سبیل اللّٰہ" اللہ کے راستہ سے روکنے کا کام کرے تو ایسے شوہر کے ساتھ زیادہ دن ازدواجی زندگی گزارنا جائز نہیں ہے۔

۱۵- شوہر کے ظلم وزیادتی کی صورت میں حتی المقدور خود کو شوہر سے باز رکھنے کی کوشش کرے، دینی شعور بیدار کرے اور شوہر کی جہالت دور کرے، مسلسل ظلم کی صورت میں صرف والدین، بھائی یا بہن کے ذریعہ معاملہ کو حل کرے، میکے کے لوگ نہ ہونے کی صورت میں کسی اسلامی ادارے، تنظیم، جماعت یا عالم دین سے رجوع کرے، ان تمام کوششوں کے باوجود شوہر کی اصلاح نہیں ہونے پاتی ہے، تو پھر

شریعت اسلامی کی اجازت کے مطابق علیحدگی اختیار کرے۔

۱۶- گھر کے کام کاج میں کوئی سستی ،کاہلی نہ کرے، اگر نوکر ہوتو تب بھی کچھ نہ کچھ کام کرلینا بہتر ہے، گھر کو صاف وشفاف رکھے، سلیقہ رکھ رکھاؤ، گھر کی ترتیب وتزئین میں کوئی کسر باقی نہ رکھے۔

۱۷- معاشی حالات خراب ہونے اور شوہر کی آمدنی کے معاملہ میں بے بس ہونے پر حدود اللہ میں رہ کر جائز آمدنی کے ذرائع پیدا کرنا احسن ہے، نوکری اور ذاتی آمدنی قرض کے بوجھ اور سماج کے لعن طعن سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ بیوی اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کے ذریعہ کما سکتی ہے، چونکہ خاندان کی کفالت کی ذمہ داری مرد حضرات کی ہے، اسی لیے عورت پر لازم نہیں ہے کہ وہ کمائے، مخصوص میدان عمل میں آمدنی کے لیے وہ کام کرسکتی ہے، اور خاندان کو غربت وافلاس سے بچاسکتی ہے، یا پھر بحالت مجبوری آمدنی کا ذریعہ پیدا کرے۔

۱۰- بیوی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنے اخلاق وعادات، طور طریقوں اور سلوک وتعلقات میں بہترین نمونہ بن جائے، نیکی، تقوی، خیر واصلاح کے کاموں میں سب سے مقدم رہے، بیوی کی ایک ایک حرکت کا اثر بچوں پر پڑتا ہے، اور بچے شعور کو پہنچنے سے پہلے پہلے ہی ماں کی فطرت اور مزاج کو قبول کرلیتے ہیں۔

۲۰- بیوی اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو ہمیشہ بڑھانے کی کوشش کرے، فاضل اوقات میں مطالعہ کا شوق پیدا کرے، ذہنی صلاحیتوں کے ذریعہ تعلیم وتربیت میں اپنا منفرد مقام بنائے۔

۲۱- اپنی ذات اور شخصیت میں ایسے بہترین اخلاق وکردار پیدا کرے کہ عامۃ الناس زیادہ قریب ہوں، اپنی ذات کو ہمیشہ ضرورت مند، حاجت مندوں کے لیے نافع بنائے رکھے، اسلامی معاشرہ میں غیر نافع کی کوئی اہمیت نہیں۔

یہ چند بنیادی اصول ہیں جو ایک خوشحال، صالح زندگی کے لیے ضروری ہیں۔

❁❁❁❁

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۱۰؍روپئے

۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰؍روپئے

۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۳؍روپئے

۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰؍روپئے

۵- رہنمائے طریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۱۰؍روپئے

٦- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات، عربی) ۵؍روپئے

۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰؍روپئے

۸- التدخین بین الشرع والطب (تمباکو ونشہ آور چیزیں شریعت وطب کی روشنی میں، عربی) ۲۰؍روپئے۔

۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۵۰؍روپئے

۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۵۰؍روپئے

۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۵۰؍روپئے

۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۸؍روپئے

۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۸؍روپئے

۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات) ۸؍روپئے

۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (چودہ بزرگوں کے حالات) ۳۰؍روپئے

۱۶- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر ۲۷؍مضامین کا مجموعہ) ۳۰؍روپئے

۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰؍بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰؍روپئے

۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰؍روپئے

۱۹- افکار دل (۳۰؍تقریروں کا مجموعہ) ۱۰۰؍روپئے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

دوسری اور آخری قسط

لمحۂ فکریہ

طلبۂ مدارس میں انحطاط علمی کے اسباب

مولانا محمد حذیفہ غلام وستانوی جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر

اسی طرح عبادات مفروضہ کا علم مثلاً نماز و روزہ کے فرائض، واجبات، سنتیں مستحبات، مکروہات، مفسدات وغیرہ، اگر مالدار ہے تو زکوٰۃ اور حج کے ضروری مسائل، اگر تاجر ہے تو اسلام کا طریقۂ تجارت اور لین دین کے مسائل، اگر ملازم اور مزدور ہے تو کرایہ کے مسائل، اگر طالب علم ہے تو طلب علم کے مسائل وغیرہ؛ یہ تو ہوا وہ علم جو فرض عین ہے۔

''فرضِ کفایہ'' یعنی مسافت سفر کے برابر علاقہ میں اس علاقہ کے ایک آدمی کا ابواب شریعت سے متعلق تمام ضروری اور اہم مسائل کا جاننا ضروری ہے؛ ورنہ پورے علاقہ کے مسلمان گنہگار ہوں گے، آج دنیا میں کتنے ایسے خطے ہیں جہاں دور دور تک کسی مسائل بتانے والا کا کوئی اتا پتا نہیں۔

یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے کہ قرآن وحدیث میں جس علم کی فضیلت بار بار آئی ہے، وہ علم شرعی ہے؛ جیسا کہ امام ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم و فضله'' میں اور دیگر محدثین وفقہاء نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، ہاں! البتہ جو علوم علم شرعی کے لیے وسائل کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ اس فضیلت سے خارج نہیں؛ مثلاً علم نحو، علم صرف، علم بیان، علم بلاغت، علوم عربیہ وغیرہ؛ مگر علوم معاش اس میں داخل ہی نہیں۔

علوم کی ایک تقسیم حق وباطل کے اعتبار سے بھی ہے: ''علوم حقہ'' اور ''علوم باطلہ'' علوم حقہ مثلاً علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، وغیرہ اور علوم باطلہ جیسے علم سحر، علم شعبدہ، علم نجوم، وغیرہ۔

اسی طرح علم کی ایک تقسیم نفع اور ضرر کے اعتبار سے بھی ہے: ''علوم ضارہ'' اور ''علوم نافعہ'' ہر وہ علم جس کے ذریعہ باطل طریقہ یا باطل نیت وارادہ سے دنیا طلبی یا جاہ طلبی مقصود ہو، وہ علم ''علم ضار'' ہے اور جس سے رضائے الٰہی کا قصد وارادہ اور شرعی طریقہ ہو اور اس پر عمل ہو تو ''علم نافع'' ہے۔

خلاصہ یہ کہ فضائل کا حامل وہی علم ہے جو حق ہو، شرعی ہو، نافع ہو اور جس پر عمل ہو۔

اب ذرا ہم اپنے معاشرۂ علما اور طلبہ پر ایک اُچٹتی نگاہ ڈالیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ اس وقت ہماری کیا کیفیت ہے؟ جاہ طلبی اور دنیا طلبی ہم پر مستولی ہوچکی ہے؛ اللہ ہمیں صحیح ہدایت دے اور دنیا وآخرت میں اپنی گرفت اور پکڑ سے محفوظ رکھے۔ آمین!

امام ابن القیم الجوزیؒ فرماتے ہیں: ''اگر بندے نے سب کچھ جان لیا اور ہر چیز کی معرفت حاصل کرلی، مگر اپنے پروردگار اور پالنہار کی معرفت نہیں حاصل کی، تو سب کچھ لاحاصل اور بے سود ہے اور اگر اس کو دنیا کی ساری نعمتیں، لذتیں اور شہوتیں حاصل ہو جائے، مگر اللہ کی محبت اور اس کی ملاقات کا شوق اور اس کے دیدار کا جذبہ حاصل نہ ہو، تو یہ سب بھی بے فائدہ اور لایعنی ہے، گویا اسے عارضی لذتیں حاصل ہوگئی ہوا اور دائمی لذتوں سے محروم اور نامراد ہوا'' اللہ ہماری مکمل حفاظت فرمائے۔ آمین! (اغاثۃ اللفہان:۱/۶۸)

مقصود ومنتہائے علم:

علم کے حصول کا مقصد ہی اللہ کی عبادت کا صحیح شرعی طریقہ جاننا،

پھر اس پر عمل کر کے حق وباطل کے درمیان تمیز کرتے ہوئے پوری زندگی خود بھی اور دوسروں کو بھی اللہ کی مرضیات کے راستہ پر لانے کی کوشش کرنا اور اس کے غضب وعقاب والے راستوں سے خود بھی اور دوسروں کو بھی روکنا، اللہ ہمیں علم کے مقصد کو سمجھنے کی اور پھر اسے اپنی زندگی میں صحیح معنی میں اُتارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

امین مصریؒ فرماتے ھیں:

علم کی شان یہ ہے کہ اس کے پاس ایمان نہ ہوتو ایمان اندر داخل ہوتا ہے اور اس میں استحکام پیدا ہوتا ہے اور جب ایمان میں استحکام پیدا ہوتا ہے تو عمل پر بندہ آمادہ ہوتا ہے، لہٰذا اگر علم پر عمل نہ ہوتو اس کا مطلب یہ ہوا کہ علم بھی ناقص اور ایمان بھی کمزور ہے؛ بلکہ اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں کی مذمت: "مثل الذين حُمِّل التوراة" والی آیت کریمہ میں کی ہے اور بتایا کہ علم پر عمل نہ کرنے والے کی مثال، اس گدھے کی طرح ہے جس پر کتابیں لادی گئی ہوں، یعنی گدھے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے، گویا قرآن نے بے عملی پر ایسے شخص کو گدھے جیسے رذیل جانور سے تشبیہ دی، اگر غیرحمیت اور انسانی شرافت ہوتو آدمی اس سے عار اور سبق حاصل کرسکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایسے شخص کے لیے جو علم پر عمل نہ کرے اور تحصیل علم کے زمانے میں دنیا کمانے کی نیت کرتا ہوتو ایسوں کے لیے سخت ترین وعید سنائی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر کسی شخص نے علم دین کو اس لیے حاصل کرنے کا ارادہ کیا کہ اس کے ذریعہ دنیا کمائے گا تو ایسا شخص جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکے گا''۔ (مسند احمد مستدرک حاکم اقتضاء العلم العمل ر۶۵)

یہ بڑی سخت وعید ہے، ہم طلبہ وعلماء کے معاشرے کو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے اور اپنے علم کے ذریعہ آخرت کی فکر اور تیار کرنے کی نیت اور اس کے لیے کوشش کرنا ضروری ہے، اللہ ایسی سخت وعیدوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین!

علم کا مصدر وحی الٰھی:

علم حقیقی صرف اور صرف وہی ہے جو وحی کی صورت میں انسانوں کی ہدایت کے لیے منجانب اللہ حضرت جبرئیل کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء پر نازل ہوا؛ جس کی تعلیم وتعلم کی اللہ نے ہمیں توفیق عطا فرمائی؛ باقی سب محض ظنیات ہیں، لہٰذا ہمیں اس کی قدر کرنی چاہئے اور خوب جدوجہد اور محنت سے حاصل کرنا چاہئے، اللہ ہمیں علم کے خاطر مرمٹنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حصول علم کے وسائل:

اللہ رب العزت نے چوں کہ انسان کو علم ہی کی وجہ سے امتیاز بخشا ہے، تو اس کو حصول علم کے ذرائع بھی عطا کیے "والله أخرجكم من بطون امهتكم لا تعلمون شيئا" میں اللہ فرماتے ہیں: اللہ نے تم کو اپنی ماؤں کے پیٹ سے اس حال میں پیدا کیا کہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے، مگر تمہیں کان، آنکھ اور دل دیا، تاکہ تم شکر بجالاؤ۔

ایک جگہ پر ارشاد فرمایا: ''وہی ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہیں کان، آنکھ اور دل دیئے؛ تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔

اور ایک جگہ پر فرمایا: یقیناً کان، آنکھ، دل، سب کے بارے میں (قیامت کے دن) باز پرس ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ اللہ رب العزت نے قوتِ سماع، قوت بینائی اور قوتِ ادراک وفہم اس لیے دیئے ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ علم حاصل کرے، گویا اسی مقصد کے لیے یہ تین عظیم نعمتیں دی گئیں اور قیامت کے دن اس پر باز پرس بھی ہوگی، مگر افسوس کہ آج مغرب نے انسان کی ان تینوں طاقتوں کو لہو ولعب اور محرمات شرعیہ میں صرف کرنے کے لیے ایسے آلات ایجاد کیے ہیں کہ جس میں منہمک ہوکر ہماری نوجوان نسل برباد ہوتی چلی جارہی ہے اور دنیا آخرت کی بربادی کا سامان اپنے ہاتھ سے مہیا کررہی ہے، مثلاً قوتِ سماع کو قرآن اور اس کے علوم کی تحصیل کے لیے صرف ہونا تھا، مگر اس کی جگہ فحش گانے، قوالیاں، موسیقی اور کہانیوں کے لیے صرف ہورہے ہیں اور آنکھ فلموں اور میچوں اور گیموں

کے دیکھنے میں دل اللہ کے علاوہ غیر کی محبت میں، غرض ٹی وی، موبائل، ویڈیو، انٹرنیٹ کلبوں اور ٹھیٹھر وں نے ہمیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے، ہمارے طلبۂ مدارس بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکے؛ رات دن چوری چھپے موبائل میں وقت ضائع کرتے ہیں، یہ وقت نہیں بلکہ اپنی زندگی اور دنیا وآخرت ضائع اور برباد کر رہے ہیں!

(٤) علم پر عمل نہ کرنا:

اس پر کچھ باتیں ذکر ہوچکیں اور مزید تفصیل خطیب بغدادیؒ کی کتاب ''اقتضاء العلم والعمل'' اور امام ابن رجبؒ کی کتاب ''فضل علم السلف علی الخلف'' میں پڑھ سکتے ہیں، عنقریب اس کا ترجمہ شاہراہ کے اگلے کسی شمارے میں انشاءاللہ شائع ہوگا۔

(٥) جھدِ مسلسل کا فقدان:

محنت تو گویا ہمارے طلبہ کی طبیعت سے بالکل ختم ہو چکی ہے۔ مشکل سے ۱۵٪ ۲۰ رفیصد طلبہ کے علاوہ اکثر طلبہ محنت سے جی چراتے ہیں؛ جو بڑے دکھ کی بات ہے، طلبہ کی اس لا پرواہی کو دیکھتے ہوئے مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آج کل مدارس میں جو طلبہ آتے ہیں ان کا حال یہ ہے: "دخل حماراً صغیراً و رجع حماراً کبیراً" یعنی صرف کھاپی کر بڑے ہو کر چلے جاتے ہیں اور کچھ نہیں، اللہ صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

(٦) ادب کا فقدان:

ادب، سلیقہ، شائستگی تو دن بدن عنقا ہوتی چلی جارہی ہے، نہ استاذ کا ادب، نہ کتاب و مدرسہ کا ادب، نہ درسگاہ کا ادب اور نہ مسجد کا ادب، خال خال دس بیس فیصد طلبہ شاید ایسے مل جائیں گے جو باادب ہوں؛ ورنہ تو بے ادبی تو ایسی کہ اللہ کی پناہ !!! حالاں کہ ادب اور اخلاق تو طالب علم شرعی کے لیے لازمی عنصر کی حیثیت کے حامل ہے، اس کے بغیر تو کچھ آ ہی نہیں سکتا، تاریخ میں بے شمار مثالیں اس پر شاہد عدل ہیں، جس پر تفصیلی معلومات شاہراہ کے پچھلے کسی شمارے میں آچکی ہے۔

سنن، مستحبات اور فرائض سے فرار:

طلبہ کا حال اب دن بدن ابتر ہوتا جارہا ہے، نہ فرائض کا اہتمام، یہاں تک کے پانچ فرض نمازیں بھی زور وزبردستی کر کے پڑھوانا پڑتا ہے، حالانکہ ایک مؤمن کی زندگی نماز کے بغیر بیکار ہے اور طالب علم کے لیے تو نماز کا ترک موت کے مترادف ہے۔

ہمارے اسلاف کا حال یہ تھا کہ طالب علمی کے دور میں نہ نماز جاتی تھی، نہ تہجد چھوٹتی تھی، بیس بیس سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی تھی، اللہ ہمیں صحیح ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

نماز سے پہلے اور بعد کی نہ سنن مؤکدہ ادا کرتے ہیں اور نہ غیر مؤکدہ، نہ وضو اور نہ نماز کے مستحبات ومکروہات کا خیال کرتے ہیں، بلکہ بہت سے طلبہ تو وتر بھی ادا نہیں کرتے؛ کیا نمازوں کو ترک کرنے والوں کو بھی کہیں علم اور اس کا نور حاصل ہوتا ہے؟

(٧) ضیاعِ وقت:

یہ تو اب ہمارے طلبہ اور معاشرہ کا طرّۂ امتیاز ہو چکا ہے، راتوں کو دیر تک جاگنا، پھر نہ فجر پڑھنا اور اگر پڑھے بھی تو سوتے سوتے؛ نہ درسگاہ میں توجہ سے بیٹھنا، کھیل کود، سیر وسیاحت اور لغویات میں وقت ضائع کرتے رہتے ہیں، کیا ایسے وقت ضائع کرنے والوں کو بھی علمی استعداد پیدا ہوسکتی ہے؟

(٨) اخلاق حمیدہ سے دوری:

اخلاق کے بارے میں تو پوچھئے ہی مت، اتنے رذیل اخلاق کہ جس کی کوئی حد نہیں، نہ راستے پر اخلاق سے چلنا، نہ درسگاہ میں اخلاق سے بیٹھنا، نہ اساتذہ کے ساتھ سے اخلاق سے پیش آنا اور نہ بڑوں کا احترام کرنا، سیٹیاں کسنا، تالیاں بجانا، چیخنا اور چلانا، ہنگامہ آرائی کرنا، یاد رکھو! بداخلاقی بھی علم کی تحصیل میں بڑی رکاوٹ ہے۔

(٩) توجہ کا فقدان:

طلبہ اساتذہ کا سبق بھی توجہ سے نہیں سنتے، کوئی سوتا ہے، کوئی چپکے چپکے گیم کھیلتا ہے، کوئی ادھر اُدھر جھانکتا ہے، کوئی اپنے خیالات کی دنیا

میں گم ہوتا ہے، بے توجہ سے کیا کبھی کسی کو علم حاصل ہوا ہے؟

(۱۰) حقوق کی ادائیگی میں کوتاھی:

طلبہ نہ اساتذہ کے حقوق ادا کرتے ہیں، نہ اپنے ماتحتوں کے حقوق ادا کرتے ہیں، کسی کا قرض لے کر نہ دینا، کسی کی کوئی چیز چھپا دینا اور نہ لوٹانا، کسی کے پیسے دبا لینا، ناحق اپنے ساتھیوں سے مار پیٹ کرنا، یہ حقوق کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہیں، کیا اس طرح لوگوں کو ستانے سے علم آجائے گا؟

(۱۱) مطالعه کا فقدان:

مطالعہ نام کی کوئی چیز طلبہ میں باقی نہیں رہی، کیا بغیر مطالعہ کے علم کبھی کسی کو آیا ہے؟ ہمارے اسلاف مطالعہ کے لیے دن رات ایک کر دیتے تھے، ذرا ان کی زندگیاں پڑھو، مرنے کے بعد جنت میں بھی مطالعہ میں لگے ہوئے ہیں!!

(۱۲) کھیل کود سے دلچسپی:

اسکولوں اور کالجوں والوں نے تو کھیل کو تعلیم کا حصہ بنا لیا جو سنگین غلطی ہے، مگر ہمارے طلبہ بھی اچھا خاصا وقت کرکٹ وغیرہ میں خرچ کر دیتے ہیں، اس طرح کھیلنے کودنے سے علم حاصل نہیں ہوتا۔

(۱۳) موبائل سے انھماک:

موبائل کے نقصانات نفع سے زیادہ ہے، خاص طور پر طالب علم کے لیے سمِ قاتل ہے، اس میں وقت کا ضیاع خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہے۔ اللھم احفظ!

(۱۴) اساتذہ کی غیبت:

طلبہ میں ایک مرض یہ بھی سرایت کر گیا ہے کہ وہ اساتذہ کے طریقہ تدریس پر تبصرے کرتے ہیں جب کہ یہ سراسر بے ادبی ہے، کیونکہ اللہ کی طرف سے ہر ایک کو افہام و تفہیم ایک جیسی نہیں دی جاتی ہے، لہٰذا صرف اساتذہ کے درس کے سننے پر اکتفا کرے اور اگر سمجھ میں نہ آئے تو حاشیے سے حل کرے، ورنہ چھوڑ دے، انشاء اللہ اس ادب پر ہی اللہ علم میں برکت دے دے گا۔

(۱۵) مفسد ذھنیت:

جنگ و جدال اور گالی گلوچ کی عادت بھی ہمارے طلبہ میں ایک معمول بننے لگی ہے حالانکہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں؛ لہٰذا اپنے اوپر عائد حقوق کو ادا کریں اور دوسروں پر عائد اپنے حقوق میں نرمی یا درگذر سے کام لیں تو یہ بھی علم میں ترقی کا باعث ہوگا؛ مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہوتا؟

(۱٦) طلبه کا بازار میں بکثرت جانا:

طلبہ کا بازار میں بہ کثرت جانے کا رواج عام ہو چلا ہے، حالانکہ بازار برائیوں کا اڈہ ہے، جس کے چکر کاٹنے سے بری عادات پیدا ہوتی ہیں کیا بازاروں میں چکر کاٹنے والوں کے علم میں ترقی ہو سکتی ہے؟

(۱۷) بروں کی صحبت:

بری عادات کے حامل لوگوں کی صحبت بھی انسان کی ترقی اور استعداد کی پختگی میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہے، مگر ہمارے طلبہ بروں کے ساتھ رہنے کو ہی پسند کرتے ہیں۔

(۱۸) تکبر:

متکبر ذہنیت کا طالب علم کبھی سرخرو نہیں ہو سکتا، علم کے لیے تواضع لازمی ہے، مگر آج تکبر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے، کیا ایسے لوگوں کو علم کا نور حاصل ہو سکتا ہے؟۔

(۱۹) انتظامیه سے گله:

کھانے پینے، رہنے سہنے کے سلسلے میں آج کل ہمارے طلبہ میں بڑے ناز ونکھرے آ گئے ہیں اور اس سلسلہ میں اکثر انتظامیہ کی غیبت اور اس کو برا بھلا کہنا اور ان کے ساتھ بدتمیزی کرنا گویا عام سی بات ہوگئی؛ حالانکہ یہ سب تبرعات ہیں، ہمارے اسلاف نے اپنا مال اپنی جان، اپنا وقت، اپنا سب کچھ کھپا کر علم حاصل کیا؛ ان کے لیے نہ رہنے کے انتظامات تھے، نہ کھانے کے، مگر پھر بھی محنت کرتے اور سب انتظامات خود سے کرتے تھے؛ لہٰذا علمی استعداد میں پختگی پیدا کرنا ہو تو یہ سب ناز ونکھرے چھوڑنے ہوں گے اور تن من دھن کی بازی لگانی

ہوگی، تب جا کر استعداد پیدا ہوسکتی ہے۔

(۲۰) سہولت پسندی:

آج کل طلبہ کی طبیعتیں سہولت پسندی کا شکار ہو چکی ہے؛ وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ علم بھی سہولتوں سے حاصل ہو جاتا ہے۔ ع

ایں خیال است ومحال است وجنوں

دراصل علم مجاہدانہ روش کر کے ہی استعداد پیدا ہوگی۔

(۲۱) طلبہ اپنی ذہنی و جسمانی صحت کا خیال نہیں کرتے:

جو آیا کھالیا، جب جی میں آیا سوگئے، جو دل میں آیا فحش تصاویر اور ویڈیو دیکھ لیا، یہ سب امور ذہن اور جسم پر انتہائی منفی اثرات مرتب کرتے ہیں اور ظاہر ہے جب ذہن اور جسم صحت مند نہ ہوں گے تو علم کے حصول میں جی نہیں لگے گا اور استعداد پیدا نہ ہوگی۔

(۲۲) زیب و زینت کے عادی:

آج کل ہمارے طلبہ زیب وزینت کے بڑے عادی ہوتے چلے جارہے ہیں، رنگ برنگی ٹوپی، کرتا پاجامہ، مختلف نسوانی ڈیزائن کے کپڑے، پینٹ، ٹائی، بے ڈھنگی ڈیزائن اور فیشن زدہ بال، ظاہر سی بات ہے کہ اس طرح طالب علم میں استعداد کیسے پیدا ہوگی؟ جب اس کو ان کاموں ہی سے فرصت نہیں، طبیعت میں سادگی اور نظافت ہونی چاہیے، تکلّفات سے ہمارے اسلاف کی زندگیاں عاری ہیں۔

(۲۳) دعاء اور تلاوت سے غفلت:

بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل طلبہ وعلماء میں قرآن جیسی عظیم کتاب کی تلاوت اور دعاء جیسی عظیم عبادت سے غفلت برتی جارہی ہے، حالانکہ دعاء اور قرآن یہ ہماری ترقی میں اور خاص طور پر روحانی اور علمی ترقی میں انتہائی کارآمد ہے، مگر اس جانب توجہ نہیں دی جاتی ہے۔

طلبہ کو صبح سویرے جلدی بیدار ہو کر تہجد کے ساتھ اور مغرب سے پندرہ منٹ پہلے مسجد میں آکر اہتمام کے ساتھ دعاء وتلاوت میں مشغول ہو جانا چاہیے اور ہر نماز سے دس پندرہ منٹ پہلے مسجد میں حاضر ہوکر قرآن کی تلاوت میں مصروف ہو جانا چاہیے۔

دعاء اور قرآن کے روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ بے شمار مادی اور جسمانی فوائد بھی ہیں، جس کو آج کی سائنس نے بھی تسلیم کرلیا ہے، یہ صرف دعاء وقرآن کا ہی امتیاز نہیں بلکہ اسلامی تمام عبادتوں اور ریاضتوں کا یہی حال ہے کہ ہر ایک میں روحانی، مادی اور جسمانی بے شمار فوائد مضمر ہوا کرتے ہیں، آج کے علوم تجربیہ نے تمام اسلامی عقائد اور عبادات واحکام کے منافع کو تجربے کی روشنی میں ثابت کردیا ہے، اگرچہ ہمارے پیش نظر صرف اور صرف رضائے الٰہی اور آخرت ہی کی کامیابی ہونی چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ نیت میں عدم اخلاص، علم کے مفہوم سے ناواقفیت، علم کے مطابق عمل کا نہ ہونا، محنت سے فرار، بداخلاقی اور بے ادبی، اسلامی فرائض واجبات، سنن اور مستحبات سے عدم دلچسپی، وقت کا ضیاع، بے توجہی، غفلت اور سستی حقوق میں کوتاہی، مطالعہ سے دوری، لہو ولعب میں انہماک، موبائل سے دلچسپی، اساتذہ کی غیبت و بے ادبی، فسادانہ ذہنیت، شکوہ وشکایت کی عادت، بازاروں کے چکر، دوستی اور یاری، تکبر وعناد، سہولت پسندی اور راحت طلبی، زیب وزینت کی عادت، صحت کا خیال نہ کرنا، تکبیر اولیٰ کا اہتمام نہ کرنا وغیرہ یہ وہ اسباب ہیں جس کے بنا پر ہمارے مدارس کے طلبہ سے وہ نتائج برآمد نہیں ہورہے ہیں جس کی توقع کی جاتی ہے۔

اخیر میں طلبہ عزیز سے لجاجت کے ساتھ درخواست ہے کہ وہ اپنے والدین، اپنے ادارے کے انتظامیہ، اپنے اساتذہ کی محنت اور امید پر پانی نہ پھیرتے ہوئے اور ان کی محنتوں کو رائیگاں نہ کرتے ہوئے، پورے انہماک کے ساتھ علمی استعداد میں پختگی پیدا کرنے کے اسباب اختیار کر کے تن من دھن کے ساتھ علم کے حصول میں لگ جائیں، اپنا اور پوری امت کا مستقبل روشن کرنے کی سعی کریں۔

اللہ ہماری مدد فرمائے، ہمیں توفیق عطا فرمائے اور دنیا وآخرت میں سرخرو فرما کر ہم سے راضی ہو جائے۔ آمین!

تعارف

بخاری شریف کی اپنی نوعیت کی قابل اعتماد اردو شرح

سراج القاری لحل صحیح البخاری

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

سراج القاری شرح اردو صحیح بخاری حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنیؒ کی آخری عمر کی درسی تقریر ہے، جس کو مشہور بزرگ، ممتاز عالم دین، ولی کامل حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا دامت برکاتہم وعمت فیوضہم تلمیذ رشید وخادم خاص ومجاز بیعت حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ بانی ومہتمم وشیخ الحدیث معہد الرشید الاسلامی چپاٹا زامبیا نے اب سے تقریبا ۴۵؍سال قبل ۱۳۸۶ھ میں قلم بند فرمایا تھا۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا سورتی دامت برکاتہم نے جامعہ حسینیہ راندیر ضلع سورت گجرات سے ۱۳۸۴ھ میں دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی اور ۲۳؍شعبان ۱۳۸۴ھ (مطابق ۲۹؍دسمبر ۱۹۶۴ء) میں حضرت شیخ الحدیث صاحب کی خدمت اقدس میں حاضری کی سعادت حاصل کی، اور حضرت شیخ کی قربت واختصاص حاصل کیا، اور شوال ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۸۵ھ تک حضرت شیخ کے درس بخاری میں شرکت فرمائی اور چونکہ حضرت شیخ سے قربت حاصل ہوگئی تھی، اس بنا پر حضرت شیخ کو اعتماد بھی پورا ہوگیا تھا، اس طرح حضرت شیخ کے خطوط کے جوابات بھی لکھنے لگ گئے، شروع شروع میں تو کچھ دقت پیش آئی، اس لیے کہ حضرت شیخ جلدی جلدی بولتے تھے، پھر کچھ دنوں کے بعد عادت اور مہارت حاصل ہوگئی اور مہارت بھی کیا بلکہ مزاج شناسی ہوگئی تھی یعنی حضرت شیخ جو بولنا یا لکھوانا چاہتے تھے گویا کہ وہی لکھتے تھے، اس طرح تقریباً حضرت شیخ کے ڈیڑھ لاکھ سے بھی زیادہ خطوط کے جوابات آپ نے اپنے قلم سے لکھے، پھر چونکہ حضرت شیخ کے الفاظ کو اخذ کرنے، سمجھنے اور لکھنے کی مہارت ہوچکی تھی، اس لیے شوال ۱۳۸۵ھ سے شعبان ۱۳۸۶ھ (۱۹۶۶ء) کے درس بخاری میں شرکت فرما کر باقاعدہ حضرت شیخ کے پورے درس کو قلم بند کیا، اور حضرت شیخ نے ۱۳۸۸ھ (۱۹۶۸ء) سے پڑھانا موقوف کر دیا تھا، اس لیے بجا طور پر یہ حضرت شیخ کا آخری عمر کا آخری درس ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت شیخ کے زندگی بھر کے درس وتدریس کا نچوڑ اور خلاصہ ہے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا اور چونکہ قلم بند کرنے والی شخصیت نے بخاری شریف کو مکمل تین مرتبہ پڑھا اور پھر حضرت شیخ خطوط کے جو جوابات املا کراتے تھے، وہ آپ لکھتے تھے، اس لئے حضرت باتوں اوران کے درس کو فوراً لکھنے کی مہارت حاصل ہوگئی تھی جس کی اہمیت وافادیت اور قیمت وعظمت کا ہر ذی علم اندازہ لگا سکتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث کو آپ پر اس درجہ اعتماد تھا کہ ''بذل المجہود'' کی طباعت کے سلسلہ میں آپ کو قاہرہ (مصر) روانہ فرمایا، اور اس سلسلہ میں آپ وہاں چودہ مہینے رہے، پھر دوبارہ ''لامع الدراری'' کے سلسلہ میں قاہرہ گئے اور تقریباً ۶؍ماہ قیام کیا اور تیسری مرتبہ ''اوجز المسالک'' کے سلسلہ میں قاہرہ گئے، تب بھی دو ماہ قیام فرمایا، حضرت شیخ آپ کی شان میں اونچے کلمات ارشاد فرماتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا کہ عبدالرحیم! تجھ سے روحانی راحت پہنچتی ہے، اس طرح حضرت شیخ کا مولانا عبدالرحیم کو قاہرہ بھیجنا خود ان کی علمی پختگی، علم دوستی، علمی تیقظ

اور علمی گرفت کے مضبوط ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت شیخ نے مولانا عبدالرحیم صاحب کو کالے لوگوں میں کام کرنے کے لیے، ان کو دینی تعلیم، اسلامی عقائد اور اسلامی تعلیمات سے آراستہ کرنے کے لیے زامبیا کے ایک چھوٹے سے گاؤں چپاٹا میں بھیجا، جو زامبیا کی سرحد کے قریب، وہاں کی راجدھانی لوساکا سے تقریباً چھ سو کلومیٹر دور ہے، مولانا عبدالرحیم صاحب نے یورپ، امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملکوں سے صرف نظر کرتے ہوئے زامبیا جیسے دینی و دنیوی ہر دو لحاظ سے پسماندہ ملک کو اپنے شیخ کے حکم پر دینی خدمات کا مرکز بنایا، جہاں کالے لوگوں کی کثرت اور دین بیزاری عام ہے، اور معہد الرشید الاسلامی کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا، حضرت شیخ نے آپ سے فرمایا تھا کہ عبدالرحیم زامبیا جا کر مدرسہ کھول لے، اور پڑھانا شروع کردے، اگر اللہ جل شانہ کو منظور ہوا، تو میں خود آ کر تیرے مدرسہ کی بسم اللہ کرادوں گا، اور پانچ ہزار روپے کا سب سے پہلے چندہ بھی عطا فرمایا، چنانچہ آپ نے حضرت شیخ کے حکم سے معہد الرشید الاسلامی قائم فرمایا، اور ۱۹ر شوال ۱۴۰۱ھ (۲۱ر اگست ۱۹۸۱ء) میں بروز پنجشنبہ بعد نماز عشاء حضرت شیخ نے تشریف لے جا کر مدرسہ اور تعلیم کی بسم اللہ کرادی، حضرت شیخ الحدیث کو آپ سے اور آپ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا یوسف متالا صاحب مہتمم دارالعلوم یو کے سے کتنا تعلق اور شغف تھا، اس کا اندازہ ان خطوط سے لگایا جاسکتا ہے، جو دونوں بھائیوں کے نام حضرت شیخ نے لکھے اور اب وہ تین ضخیم جلدوں میں ''محبت نامے'' کے نام سے شائع ہو کر مقبول عام ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا کی یہ کاپیاں جو حضرت شیخ کے درسی افادات ہیں، بہت سے لوگوں کے پاس پہنچتے رہے اور وہ فائدہ اٹھاتے رہے، بہت سے محدثین علماء کرام نے اس کی فوٹو کاپیاں کرا کر اس سے استفادہ کا سلسلہ شروع رکھا، بعض مرتبہ خود حضرت مولانا عبدالرحیم کو بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ فلاں فلاں پر یہ کیسے پہنچ گئیں، دراصل ہر ایک شئے کے لیے اللہ کے یہاں ایک وقت متعین ہے ''کل شئی مرهون لوقته'' کے پیش نظر مولانا محمد سالم صاحب قاسمی بانی جامعہ قاسمیہ دارالعلوم زکریا مرادآباد کو حضرت شیخ کی اس درسی تقریر کا علم ہوا، تو انہوں نے اصرار کے ساتھ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب سے اس کو حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کرلی، اور ان سے اجازت لے کر اس کی تنقیح وتہذیب، ترتیب وتحقیق اور تخریج کے ساتھ اشاعت کا بیڑا اٹھالیا، تاکہ اس کا فیض عام ہوسکے، انہوں نے بعض علم دوست احباب اور علماء کرام سے اس کی تحقیق وتوضیح کا کام لیا، چنانچہ انہوں نے پہلی جلد میں بدء الوحی، کتاب الایمان اور کتاب العلم تک اس کام کو مکمل کیا، اس طرح یہ جلد اچھی ترتیب وتحقیق اور فہرست ومقدمہ جات کے ساتھ ۱۴۴۱ر صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کے شروع میں ایک تفصیلی مضمون مقدمۃ العلم کا ہے اور دوسرا تفصیلی عنوان مقدمۃ الکتاب کا ہے، جس میں گیارہ بحثیں ہیں، بقول مولانا محمد سالم صاحب قاسمی اب تک بخاری شریف کی کم وبیش دوسو شرحیں معرض وجود میں آچکی ہیں۔

مگر اس کتاب میں مندرجہ ذیل باتوں کا بطور خاص التزام کیا گیا ہے، جس سے یہ اپنی نوعیت کی اردو میں منفرد شرح معلوم ہوتی ہے ''والغیب عند اللہ''۔

(۱) بخاری شریف کے ہندوستانی نسخہ کے مطابق احادیث کو بااعراب لکھا گیا ہے۔

(۲) احادیث کا سلسلہ وار نمبر ''فتح الباری'' کے نمبروں کے موافق رکھا گیا ہے۔

(۳) ہر حدیث کا سلیس اردو ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔

(۴) اس بات کا بھی التزام کیا گیا ہے کہ عربی متن کے ساتھ ساتھ حضرت کے درسی اشارات اور رموز کو ''بین المعکوفین'' [ ] افادے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) اشارات ورموز کی تعیین اور تشریح وتوضیح بڑی جانفشانی کے ساتھ حضرت شیخ کی تصنیفات وتعلیقات کی روشنی میں کی گئی ہے، جو

اس کتاب کی سب سے اہم اور نمایاں خصوصیت ہے۔

(۶) قارئین کرام کی سہولت کے مدنظر حضرت شیخ کے درسی اشارات کو باریک رسم الخط میں ممتاز کیا گیا ہے۔

(۷) حضرت شیخ کی تقریر کو نمایاں طور پر چوکھٹے میں قلم بند کیا گیا ہے۔

(۸) حدیث پاک کے مشکل الفاظ کی توضیح وتشریح بھی کی گئی ہے۔

(۹) سند میں آنے والے راویوں کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔

(۱۰) توضیح وتشریح کے ساتھ مستند کتابوں سے حوالہ جات کی تخریج پر خاص توجہ دی گئی ہے، ان خصوصیات کی بنا پر یہ کتاب طلبہ اور اساتذہ کے لیے ایک نادر اور بیش بہا علمی تحفہ ہے۔

کتاب پر اپنے تأثرات میں مولانا نعمت اللہ صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں کہ ''محترم مولانا محمد سالم صاحب قاسمی ایک باصلاحیت عالم دین ہیں، ان کی زیرنگرانی چند فضلائے دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ شیخ کے درسی افادات پر نظر ثانی، تنقیح اور تحقیق کا یہ کام ہوا ہے جس کی پہلی جلد ہمارے سامنے ہے۔

راقم نے متعدد مقامات سے دیکھا، اندازہ ہوا کہ افادات شیخ کو سلیقہ سے پیش کیا گیا ہے، اور کام کرنے والوں نے محنت کرکے ہر بحث کو مدلل کر دیا ہے۔

شیخ عبدالحق اعظمی استاذ دارالعلوم تحریر فرماتے ہیں کہ:

''احقر نے (کتاب کے) بعض مقامات پر نظر ڈالی، الحمدللہ دل مطمئن ہے کہ کام سلیقہ سے ہوا ہے، انشاءاللہ اہل علم حضرات کو اس سے فائدہ پہنچے گا''۔

تأثرات رائے گرامی میں مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی استاد وتحقیق دارالعلوم دیوبند نے تفصیل سے حضرت شیخ کے درس کی مندرجہ ذیل خصوصیات بھی بیان کی ہیں:

''۱- ابتدائی سالوں میں تو حضرت کا درس انتہائی مفصل ہوتا رہا، لیکن جوں جوں طلبہ کی استعدادوں اور قویٰ میں انحطاط آتا گیا، آپ کی درسی تقریر مختصر ہوتی رہی، آپ بیتی نمبر۲ میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

۲- آپ کا درس عشق نبوی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات کے ذکر پر انتہائی سوز وگداز سے کلام فرماتے، جس کا اثر پورے مجمع پر ہوتا تھا، اور حاضرین پر گریہ طاری ہوجاتا تھا، خصوصاً مرض الوفات کی حدیث جس وقت پڑھتے تھے، تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آج ہی سانحۂ ارتحال پیش آیا ہے۔

۳- آپ کے درس میں جملہ سلف، ائمہ مجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ انتہائی ادب وعظمت کا معاملہ رہتا تھا، جس محدث یا فقیہ پر رد کرنا ہوتا تھا، اس کا اسم گرامی انتہائی عظمت کے ساتھ لیتے، مثلاً حافظ ابن حجر پر جب بھی کسی علمی مسئلہ میں رد کرنے کی نوبت آتی، تو یہ بات ضرور فرماتے کہ ان سب کے باوجود ہم حدیث کے پڑھنے پڑھانے والوں پر حافظ صاحب کا جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں۔

۴- ائمہ کے مذاہب کی تحقیق اور ان کے دلائل، خصوصاً احناف کے مسلک کے دلائل کو تفصیل سے بیان کرتے، اگر حدیث حنفیہ کے مسلک کے بظاہر خلاف نظر آتی، تو اس کی متعدد توجیہات اس طرح کر دیتے کہ مسلک حنفیہ حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

۵- اکثر اہم مسائل میں بطور خلاصہ پہلے نشاندھی فرمادیتے کہ اس میں پانچ، یا سات، یا دس ابحاث ہیں، پھر ہر ایک کی قدرے تفصیل فرماتے، ان میں جن کو امام بخاری نے چھیڑا ہوتا، اس کی مزید تشریح فرماتے۔

۶- امام بخاری محدث ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ فقیہ ومجتہد بھی تھے، ان کی مجتہدانہ شان جامع صحیح کے تراجم ابواب میں پنہاں ہے، تراجم ابواب کا مقصد، ابواب کے درمیان باہمی مناسبت اور باب کے تحت لائی جانے والی حدیثوں سے ان کی مطابقت ہر دور میں مشکل سمجھی گئی، شیخ کو کثرت ممارست، خداداد ذکاوت کی بنا پر تراجم کے دقائق ومعارف کی معرفت میں کامل مہارت حاصل تھی، بلکہ مجموعی طور پر

حضرت نے کچھ اصول متعین فرمائے ہیں، جن کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے، یہ اصول "الأبواب والتراجم" میں مذکور ہیں، ان اصول کی روشنی میں شیخ جب ابواب واحادیث میں مناسبت بیان فرماتے تو بات بآسانی سمجھ میں آجاتی۔

بعض تراجم پر ہمارے سارے شراح خاموش ہیں، مگر حضرت شیخ الحدیث فرماتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ دقت نظر سے خالی نہیں، مثلاً "باب الصلوة الی الحربة" پر سارے شراح خاموش ہیں، مگر شیخ کی دوررس نگاہ نے یہاں بھی امام بخاری کی شایان شان ایک لطیف توجیہ حضرت گنگوہی کے حوالے سے نقل فرمائی ہے، جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

۷- حدیث پاک کے بعض الفاظ اور بعض جملے ایسے ہیں کہ ان کا مطلب، لب ولہجہ اور صورت واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا، اس لیے بھی اس فن کو کسی ماہر استاذ سے پڑھنا ضروری ہے، حضرت شیخ ان الفاظ اور جملوں کو اسی طرح پڑھ کر سناتے، اور جہاں مثالی صورت بنانے کی ضرورت ہوتی وہاں عملی صورت بنا کر دکھاتے، مثلاً بخاری جلد اول صفحہ ۶۹ پر " وَوَضَعَ یَدَہٗ الیُمنٰی عَلَی الیُسرٰی وَشَبَّکَ بَینَ اَصَابِعِہٖ، وَوَضَعَ خَدَّہٗ الأَیمَنَ عَلیٰ ظَھرِ کَفِّہٖ الیُسرٰی" کا محض الفاظ سے مطلب ذہن میں نہیں آسکتا، اس کو خصوصیت سے عمل کر کے طلبہ کو دکھاتے۔

۸- "فَاسْتَوصُوا بِھِم خَیراً" کے بموجب مہمان رسول کی خیر خواہی اور نفع رسانی ہر وقت پیش نظر رہتی، آپ ایک جوہر شناس شخصیت کے مالک تھے، بعض ذہین اور محنتی طلبہ جن میں شیخ محسوس کرتے کہ یہ آگے چل کر کچھ کر سکتے ہیں، ان کو درس کے علاوہ خصوصیت سے اپنے قریب بلاتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، تربیت اور علمی رہنمائی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے کئی ایک نے قابل رشک نمایاں کارنامے انجام دئے۔

اسی بابرکت درس کا یہ مجموعہ ہم طلبۂ علم حدیث کو پیش نظر کتاب کی صورت میں میسر ہو رہا ہے، جو حضرت شیخ کے ایک چہیتے شاگرد اور خلیفہ ومجاز حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا نے قلم بند فرمایا تھا، اور مولانا کی اجازت کے مطابق محترم مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم جامعہ قاسمیہ دارالعلوم زکریا، مرادآباد نے اپنی نگرانی میں دو ہونہار فضلا کے ذریعہ مراجعت، تحقیق، تحشیہ اور توضیح کا کام شروع کرادیا، جس کی پہلی جلد کتاب الایمان وکتاب العلم کی شرح پر مشتمل ہمارے سامنے ہے۔

احقر راقم الحروف نے ان حضرات کے حکم کی تعمیل میں پورے کام پر نظر ڈالی، اور درمیان میں بھی وقتاً فوقتاً کچھ مشورے دیتا رہا، الحمدللہ اس مراجعہ وتحقیق کے بعد اب یہ کام صرف درسی تقریر نہ رہا، بلکہ حضرت شیخ کی تصنیفات اور دیگر مصادر سے استفادہ کی بنا پر ایک قابل اعتماد شرح بن گیا، مجھے امید ہے کہ اہل علم حضرات پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے، اور چاہے تکمیل میں کچھ تاخیر ہو، حضرات منتظمین وباحثین تا آخر اس معیار کو ملحوظ رکھیں گے"۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے، تو اس کا عمل بھی ختم ہو جاتا ہے، صرف تین کام صدقہ جاریہ میں شمار ہوتے ہیں، چنانچہ یہ شرح حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا کے لئے بھی صدقہ جاریہ ہے، اور جنھوں نے اس کے منصۂ شہود پر لانے میں معاونت کی ہے، ان کے لیے بھی صدقہ جاریہ ہے، اور علم حدیث کے طلبہ اور خاص طور سے اساتذہ کے لیے خاصے کی چیز ہے، خدا کرے اس کی اگلی جلدیں بھی جلدی سے چھپ کر آجائیں تاکہ یہ کام تکمیل کو پہنچ کر امت کے لیے نفع کا ذریعہ بنے، بس اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے، وہ جب چاہے، جس سے چاہے، جیسا چاہے، جو چاہے کام لے لے: "وھو علی کل شئی قدیر وبالاجابة جدیر"۔

سیرت وکردار

صاحب کنز العُمّال علی متقی الہندیؒ

مختصر احوال وآثار

مولانا ڈاکٹر حافظ محمد ثانی صاحب، کراچی

نام ونسب اور ابتدائی حالات:

آپ کا اسم گرامی علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان ہے "المتقی" آپ کا لقب جب کہ قادری، شاذلی، مدینی، چشتی، صوفیانہ مسلک ومشرب تھا۔

آبائی وطن ہندوستان کا مشہور علاقہ برہان پور تھا، برہان پور (دکن) میں ۸۸۵ھ مطابق ۱۴۸۰ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔

ابتدائی حالات کے مطابق صغر سنی میں جب کہ ان کی عمر صرف آٹھ سال تھی، شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کے ولی کامل، حضرت شیخ باجن چشتی برہان پوری کی خدمت میں لے حاضر ہوئے، اور ان کے حلقہ ارادت میں داخل کرایا۔

انہی ایام میں ان کے والد بزرگوار شیخ حسام الدین کا انتقال ہوگیا، والد کے انتقال کے بعد کچھ عرصے آغاز شباب میں کسب معاش کے لیے ملازمت اختیار کی، تھوڑا بہت دنیا کا ساز وسامان جمع کیا، اسی اثناء میں عنایت حق اور ہدایت الٰہی کے جذبے نے شیخ علی متقی کو اپنی جانب کھینچا، جس کی بنا پر متاع دنیا کی بے ثباتی وناپائیداری ان کی آنکھوں میں سماگئی۔

بعد ازاں موصوف نے اپنے شیخ عبدالحکیم کی خدمت میں حاضر ہوکر مشائخ چشتیہ کا خرقہ خلافت زیب تن کیا۔

طلب علم کے لیے سفر:

حضرت شیخ علی متقیؒ کی فطرت میں چونکہ عزیمت، بلند ہمتی، تقوی وپرہیزگاری قدرت کی جانب سے ودیعت کی گئی تھی، اس بنا پر ان کی طبیعت رسمی مشیخت جو درویشان زمانہ کا ایک دستور بن گئی تھی، قائم نہ ہوئی، وہ مطلوب حقیقی اور مقصد اعلیٰ کے حصول کے درپے رہی۔

بعد ازاں موصوف اپنے وقت کے مشہور بزرگ، محدث اور عالم دین حضرت شیخ حسام الدین المتقی کی خدمت میں ملتان پہنچے، ان کی صحبت پائی جس کے بعد مسلسل دو سال ان کی صحبت میں حاضر رہ کر "تفسیر بیضاوی" اور دیگر کتب پڑھیں۔

سیرت وکردار اوصاف کمالات:

حضرت شیخ علی متقی کی یہ عادت تھی کہ کسی مسجد میں فروکش نہیں ہوتے تھے، مکان کرایہ پر لیتے اور اس میں قیام کرتے تھے، موصوف کی عادت تھی کہ دو تھیلے اپنے پاس رکھتے تھے، ایک تھیلے میں اشیائے خورد ونوش اور دوسرے تھیلے میں قرآن کریم اور سفر میں مطالعہ کے لیے چند ضروری کتابیں ساتھ رکھتے تھے۔

ان میں سے ایک کتاب "عین العلم" تھی، جس کے متعلق اپنے مریدوں کے لیے ان کی وصیت تھی کہ اس کتاب کو سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھو، یہ سالک راہ کے لیے کافی اور تمام کتابوں سے مستغنی کرنے والی ہے۔

موصوف اپنے ہمراہ پانی کا ایک مشکیزہ رکھتے تھے کہ جس سے قضائے حاجت، کھانا پکانے، وضو کرنے اور پانی پینے کے بعد اتنا باقی رہتا تھا کہ اگر غسل کی حاجت پیش آئے تو نہایا جاسکے، اسے وہ اپنی کمر

پرلا دیتے تھے، صاف پانی سے پہلے برتن صاف کرتے، پھر اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتے تھے، آپ نے اللہ سے یہ عہد کیا ہوا تھا کہ اللہ کے سوا کسی غیر سے مدد نہیں مانگیں گے، جو کام خود کرنے پر قادر ہوں گے وہ کسی اور سے نہیں لیں گے، بالفرض کسی کی احتیاج ہی پیش آ جاتی تو پہلے اسے کچھ دیتے، پھر اسے کام کے لیے کہتے تھے۔

صفائی و پاکیزگی، یکسوئی اور یاد الٰہی میں صحرانوردی کرتے، شب وروز عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے، سلوک وطریقت، طہارت و پاکیزگی نفس اور تزکیہ باطن کے لیے جدوجہد میں مصروف رہا کرتے تھے، موصوف کا جسم وجثہ جوڑ اور ہڈیاں جو انسانی جسم میں اساس کی حیثیت رکھتی ہیں، نہایت مضبوط اور توانا تھیں، آخر عمر میں ریاضت ومجاہدہ اور کم خوری کے باعث ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ ہی رہ گیا تھا، اس زمانے میں کتابت گزراوقات کا واحد ذریعہ تھی، خلق خدا کی صحبت سے گریزاں رہتے، کوئی ساتھ رہنے اور خدمت کرنے کی درخواست کرتا تو قبول نہیں کرتے تھے۔

حضرت شیخ علی متقی کے نامور شاگرد شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مطابق صدر حسن جو شیخ موصوف حضرت شیخ متقی کے خدمت گزاروں اور ارادت مندوں میں تھا، اسے موصوف نے مدتوں اپنے پاس جگہ دی، اس کی خدمت گزاری کو قبول نہ کیا، لیکن وہ آپ کا حقیقی ارادت منداور سچا عاشق تھا، آپ کتنی ہی بے رخی کرتے، وہ حاضر خدمت رہتا، کئی مرتبہ علی متقی اس سے چھپ گئے، جوتوں کے نشانات الٹے بنا کر دوسرے راستے پر چلے، تاکہ وہ نہ پاسکے، کئی مرتبہ وہ آپ کو نہیں پاسکا، مگر وہ آپ کی طلب اور جستجو میں کسی نہ کسی جگہ پا ہی لیتا، آخر موصوف کو یقین کامل ہوگیا کہ یہ اللہ کا بھیجا ہوا ہے، پھر اسے اپنی خدمت میں رہنے کی اجازت دے دی۔

دیار ہند میں شیخ علی متقی کی شہرت ومقبولیت:

قیام ملتان کے بعد حضرت شیخ علی متقی نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ہندوستان میں (احمد آباد، گجرات میں) گزارا، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مطابق اس زمانے میں موصوف کی قبولیت اور شہرت کا یہ عالم تھا کہ جس جگہ تشریف لے جاتے، خلق خدا ان کے پیچھے ہوجاتی اور دیوانہ واران کے سامنے ایسے گرتی جیسے پروانہ شمع پر گرتا ہے، موصوف اپنے حجرے کا دروازہ بند کئے یاد الٰہی میں مصروف رہتے، کسی کو آنے کا راستہ اور موقع نہیں دیتے اور بعد ازاں اسے رخصت کرتے تھے۔

صرف نماز کے اوقات میں آپ کی زیارت ہوتی تھی، موصوف کبھی کبھی فارغ اوقات میں جنگل کی طرف جاتے، نہر اور دریا کے کنارے ایک گوشے میں یاد الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔

تصنیف وتالیف کا آغاز:

احمد آباد میں قیام کے دوران ہی ایک روز ''تبیین الطریق'' کی تصنیف وتالیف کا خیال دل میں موجزن ہوا، یہ رسالہ شیخ موصوف کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔

مکہ معظمہ کی جانب ہجرت اور مستقل اقامت:

والی گجرات سلطان بہادر کے دور حکمرانی تک آپ احمد آباد گجرات میں قیام پزیر رہے، لیکن جب ہمایوں نے ۹۴۱ھ بمطابق ۱۵۳۴ء میں بہادر شاہ کو شکست دی تو آپ ہندوستان سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں تقریباً ۳۵/ برس تک قیام پذیر رہے، مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران شیخ ابوالحسن الشافعی اور شیخ شہاب الدین احمد بن حجر المکی سے علم حدیث حاصل کیا اور قادری شاذلی سلسلوں سے وابستہ ہوگئے، اس حوالے سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

نامور علماء محدثین اور صوفیاء کی خدمت میں حاضری:

مکہ معظّمہ میں شیخ محمد بن محمد سخاویؒ جو اس عہد کے نامور بزرگ تھے، سلسلہ شاذلیہ کا جو شیخ نورالدین ابوالحسن علی حسن شاذلی پر منتہی ہوتا ہے اور سلسلہ مدینیہ کا جو شیخ ابومدین شعیب مغربی تک پہنچتا ہے، حضرت علی متقی تھے، خرقہ خلافت پہنا، مکہ معظّمہ میں اقامت اختیار کی، اور عالم کو طاعات، ریاضیات ومجاہدات کے انوار سے منور کیا، دینی علوم کی

اشاعت ومعارف کی فیض رسانی سے دنیا کو مستفید فرمایا، فن حدیث وتصوف میں کتابیں اور رسائل تصنیف کئے، ان کے آثار، تصانیف وتالیفات دیکھ کر اوران کے کمال اور ورع وتقوی کے قصے سن کر عقل حیران ہوتی اور یقینی طور پر یہ فیصلہ کرتی ہے کہ یہ تمام باتیں بغیر توفیق الٰہی اور برکت خداوندی کے کمال مراتب واستقامت اور رتبہ ولایت پر ممتاز ہوئے بغیر انجام نہیں پا سکتیں۔

قیام مکہ کے دوران شیخ علی متقی دو مرتبہ گجرات تشریف لائے اور وہاں کے حاکم سلطان محمود شاہ ثالث کو تلقین فرمائی کہ وہ شریعت اسلامی کو مکمل طور پر نافذ کرے۔

احادیث نبویؐ تعلق ووابستگی:

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خاطر اور وابستگی کا یہ عالم تھا کہ موصوف اس کے درس وتدریس اور سنن واحادیث کی طلب اور جستجو میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، اس سلسلے میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے۔

''شیخ متقی زیادہ تر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن واحادیث کی جستجو میں مصروف رہتے تھے، حتی کہ زندگی کے آخری لمحات میں جب انسان کو بمقتضائے عادت بشری چلنا پھرنا اور حرکت کرنا بھی مشکل ہوجاتا ہے، شیخ موصوف جانکنی کے عالم میں اس مبارک عمل میں مشغول رہے، چنانچہ پرواز روح کے وقت تک موصوف نے'' جامع کبیر'' کا مطالعہ نہیں چھوڑا''۔

حدیث نبوی سے قلبی تعلق اور شغف کا یہ عالم تھا کہ وفات سے چند لمحات قبل بھی آپ نے فرمایا: اخیر سانس تک کتب حدیث کا مقابلہ جاری رکھنا، حدیث کی کتابیں ہمارے سامنے سے نہ ہٹانا، آپ نے فرمایا! ''اخیر سانس کی نشانی یہ ہے کہ جب تک ہماری شہادت کی انگلی ذکر کے ساتھ حرکت کرتی رہے اور جب انگلی حرکت کرنا چھوڑ دے تو سمجھ لینا کہ روح پرواز کرگئی ہے، چنانچہ اخیر سانس تک یہی صورت دیکھنے میں آئی کہ شہادت کی انگلی مسلسل حرکت میں تھی، دوسرے کسی عضو میں حس وحرکت اور زندگی کا اثر نہیں رہا تھا، مگر یہی ایک انگلی تھی کہ جو ذکر الٰہی کے ساتھ اس کی حرکت جاری تھی''۔

آپ کے زہد وتقوی، ذکر وفکر، علم وفضل، عشق رسول اور اتباع سنت کی بنا پر بے شمار لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں مشغول ہوئے، ایک صوفی بزرگ، ولی کامل متبحر عالم اور بلند پایہ محدث کی حیثیت سے حضرت شیخ علی متقی کا تقریباً نوے سال کی عمر میں بوقت سحر جمادی الاول ۹۷۵ھ کو مکہ معظمہ میں آپ کا انتقال ہوا، آپ کی تاریخ وفات ''قضی نحبہ'' سے نکلتی ہے، علاوہ ازیں ''شیخ مکہ'' اور متابعت نبی سے بھی آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

خواب میں زیارت رسول سے شرف یابی اور بشارت نبویؐ:

حضرت شیخ علی متقی کے عظیم مناقب میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ انہیں خواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، یہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب اور جمعہ کی رات تھی، اس موقع پر انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس زمانے میں لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم ہو، انہوں نے عرض کیا کہ پھر کون سب سے افضل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' ہندوستان میں محمد بن طاہر''۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اسی رات حضرت شیخ علی متقی کے نامور شاگرد شیخ عبدالوہاب متقی بھی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شرف یاب ہوئے، انہوں نے بھی یہی خواب دیکھا، یہی سوال کیا اور رسول اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ یہی جواب عنایت فرمایا، بعد ازاں شیخ عبدالوہاب متقی اپنے استاد ومربی حضرت شیخ علی متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ ان کے سامنے اس خواب کا ذکر کریں، اس موقع پر حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا تم نے بھی وہی خواب دیکھا ہے جو میں نے دیکھا ہے، علامہ شعرانی ''طبقات الکبری'' میں لکھتے ہیں۔

شیخ علی متقی خوف خدا رکھنے والے عابد وزاہد علماء میں سے تھے، میں

۹۴۷ھ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ نہایت کمزور اور نحیف بدن کے تھے، بکثرت بھوکا رہنے کے باعث ان کے جسم پر گوشت نظر نہیں آتا تھا، وہ بہت زیادہ خاموش مزاج اور تنہائی پسند تھے، اخیر عمر میں پیرانہ سالی اور کمزوری کے باعث وہ گھر سے نہیں نکلتے تھے، سوائے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے، جو وہ حرم شریف میں صفوں کے ایک جانب ادا کیا کرتے تھے، پھر نماز کے بعد تیزی سے واپس لوٹ جاتے تھے، میں ان کے گھر میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ فقرائے صادقین کی ایک جماعت کمرے کے چاروں طرف بیٹھی ہوئی تھی، ان میں سے ہر ایک یاد الٰہی میں مشغول تھا، ان میں سے کوئی تلاوت میں مصروف تھا، کوئی ذکر الٰہی میں، بعض ان میں مراقبے میں مصروف تھے، جب کہ بعض حضرات علم کے مطالعے میں مشغول و منہمک تھے، مجھے مکہ معظّمہ میں شیخ علی متقی سے زیادہ کسی نے متاثر نہیں کیا۔

جلالت شان اور علمی مقام ومرتبہ:

حضرت شیخ علی متقی کی علمی منزلت اور جلالت شان کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ ابن حجر ہیثمی مکی جو اپنے زمانے میں بلند پایہ فقہا اور علماء میں سے تھے اور مکہ معظّمہ میں شیخ الاسلام کے مقام ومرتبہ ومنصب پر ممتاز تھے، وہ حضرت علی متقی کے ابتدائی دور کے اساتذہ میں سے تھے، اس کے باوجود حال یہ تھا کہ اگر انہیں کسی حدیث کے معنی میں توقف وتردد ہوتا وہ شیخ متقی کے پاس کسی کو بھیج کر دریافت فرماتے تھے کہ آپ نے ''جمع الجوامع'' کی تبویب میں اس حدیث کو کہاں رکھا ہے؟ یعنی یہ حدیث ''جامع الکبیر'' میں کہاں مذکور ہے، کس باب میں ذکر کی گئی ہے؟ تاکہ اس باب سے اس حدیث کے معنی سمجھے جائیں، وہ بارہا اپنے آپ کو ان کا حقیقی تلمیذ کہا کرتے تھے، اخیر عمر میں ان کے مرید ہوئے اور خرقہ خلافت سے سرفراز ہوئے۔

علمائے حرمین کی نظر میں شیخ علی متقی کا مقام:

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''زاد المتقین''، میں رقم طراز ہیں:

''اس دور کے تمام اکابر ومشائخ مکہ حضرت شیخ علی متقی کی خدمت میں آتے تھے، وہ آپ کے فضل وکمال کے معترف، عظمت شان وجلالت قدر پر متفق تھے، اس زمانے میں حجاز کے عوام وخواص جس طرح مشائخ سلف کو یاد کرتے تھے، اسی طرح انہیں یاد کرتے اور ان کا نام لیتے تھے''۔

موصوف مزید لکھتے ہیں: ''تصنیف کتب واشاعت علوم سے قطع نظر جس کی توفیق وسعادت بعض علمائے ظاہر کو بھی ہوتی ہے مگر ریاضت مجاہدات، کرامات، محاسن اخلاق، قابل تعریف اوصاف، رسوخ اعمال وافعال واستقامات احوال، شریعت کی پیروی، سنت کی اتباع، ظاہری وباطنی آداب کی نگہداشت، ورع وتقوی میں کمال احتیاط کے جو واقعات حضرت شیخ علی متقی سے منقول ہیں، وہ ان کے حقیقی احوال اور کمالات باطنی پر سب سے بڑی دلیل ہیں۔

شیخ علی متقی کی شان جلالت اور علمی مقام ومرتبے کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے معاصرین اور علمائے متاخرین تمام کے تمام آپ کی عظمت اور بلند مقام کے قائل نظر آتے ہیں، علامہ عبدالقادر العیدروسی نے ''النور السافر من اخبار القرن العاشر'' اور ابن العماد الحنبلی نے ''شذرات الذہب'' میں آپ کا ان الفاظ میں تذکرہ کیا ہے'' كان من العلماء العاملين وعبادالله الصالحين، على جانب عظيم من الورع والتقوى والاجتهاد ورفض السوى، وله مصنفات عديدة وذكروعنه اخبارا حميدة"۔

جب کہ علامہ عبدالحئ الحسینی نے ''نزہۃ الخواطر'' میں شیخ متقی کو ''الشیخ الامام العالم الکبیر المحدث'' جیسے بلند القاب سے یاد کیا ہے، جب کہ شیخ محدث دہلوی نے ''زاد المتقین'' اور ''اخبار الاخیار'' میں آپ کے فضائل ومناقب، محاسن وکمالات، علمی مقام اور جلالت شان کا بہت مفصل، مبسوط اور جامع تذکرہ کیا ہے۔

چند مشہور او رنامور تلامذہ:

شیخ علی متقی کے اساتذہ اور تلامذہ میں نامور علماء، محدثین فقہاء اور صوفیائے کرام کے نام نظر آتے ہیں، آپ کے حلقہ درس سے مستفید

ہونے والوں کی ایک طویل فہرست ہے، جن میں محدث دیار ہند شیخ جمال الدین محمد بن طاہر محدث پٹنی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ عبداللہ سندھی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

مختلف اسلامی علوم پر گراں قدر تصانیف:

حضرت شیخ متقی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات اور تصانیف کا دائرہ خاصاً وسیع ہے، تفسیر، حدیث اور تصوف ان کے خاص موضوع رہے، موصوف دیار ہند کے کثیر التصانیف علماء میں سے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''شیخ علی متقی نے متعدد رسائل اور کتابیں تصنیف کی ہیں، جو سالکان طریقت وطالبان آخرت کے لیے وقت کا بہترین سرمایہ اور درستی احوال کے لیے بہت معاون ومددگار ہیں، ان کی چھوٹی بڑی عربی تصنیفات وتالیفات کی مجموعی تعداد سو سے متجاوز ہے، ان کی سب سے پہلی تصنیف ''رسالہ تبین الطریق'' اور دوسری ''مجموعہ حکیم کبیر'' ہے، یہ بہت جامع کتاب ہے، جو کچھ تصوف کی کتابوں میں مذکور ہے، اس کا یہ خلاصہ اور آیات واحادیث واقوال مشائخ کی جامع ہے''۔

ایک عظیم کارنامہ:

''کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال'' حضرت شیخ علی متقی کا عظیم علمی اور دینی کارنامہ ہے، احادیث نبوی کی اس مبسوط، جامع اور مقبول ومعتمد اول کتاب کو ہر دور میں عظمت ومقبولیت اور شہرت حاصل رہی ہے، یہ احادیث نبوی کا جامع ترین وہ عظیم مجموعہ ہے جسے شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ جلال الدین سیوطی کی شہرۂ آفاق کتاب ''جمع الجوامع'' جیسے ''الجامع الکبیر'' اور ''جامع المسانید'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، فقہی ابواب پر مرتب کیا، جس کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق دہلوی کا بیان ہے۔

حق بات یہ ہے کہ اس کتاب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ متقی نے اس میں کیسا کام کیا اور کیا خدمت انجام دی ہیں، یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سنن واحادیث کی معانی اس کے ادراک وترتیب اور الفاظ کے سمجھنے میں انہیں کیسی بصیرت حاصل تھی۔

موصوف مزید لکھتے ہیں کہ: ''بعدازاں شیخ علی متقی نے اس کا ایک انتخاب کیا، جس میں بیشتر مکررات کو حذف کیا، جس سے وہ نہایت درجہ واضح ومنقح کتاب بن گئی ہے۔

دسویں صدی ہجری کے مشہور محدث شیخ ابوالحسن بکری فرماتے تھے علامہ سیوطی کا عالم پر احسان ہے، انہوں نے ''جمع الجوامع'' جیسی جامع اور مبسوط کتاب لکھ کر احادیث نبوی کے ذخیرہ کو یکجا مرتب اور مدون کر کے عظیم خدمت انجام دی، جب کہ علامہ متقی کا علامہ جلال الدین سیوطی پر احسان ہے کہ انہوں نے ''کنز العمال'' جیسی مقبول ومعتمد اول کتاب مدون فرمائی۔

جمع الجوامع کنزالعمال کا بنیادی ماخذومرجع:

کنز العمال کی عظمت واہمیت جاننے کے لیے اس کے اصل منبع ومصدر جمع الجوامع کی عظمت واہمیت سے واقفیت ضروری ہے، جمع الجوامع کے مولف علامہ جلال الدین سیوطی نامور مؤلف، بلند پایہ مفسر محدث، فقیہ، ادیب شاعر، مؤرخ اور لغوی ہی نہ تھے، بلکہ اپنے عہد کے مجدد بھی تھے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نویں صدی ہجری کے بعد سات علوم:

(۱) تفسیر (۲) حدیث (۳) فقہ (۴) نحو (۵) معانی (۶) بیان

(۷) علم بدیع جن میں علامہ سیوطی کو اجتہاد کا دعوی تھا، اسلامی دنیا کی کسی زبان میں ایسی کوئی کتاب نہیں مل سکے گی، جس میں سیوطی کی کسی کتاب کا حوالہ موجود نہ ہو، علامہ موصوف کی شخصیت افادۂ علمی، وسعت نظر، کثرت معلومات، کثرت تالیفات اور استحضار علم میں مثالی شخصیت اختیار کرلی گئی تھی۔

میرے والد گرامی معروف محقق مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی ''تذکرۂ علامہ جلال الدین سیوطیؒ'' میں لکھتے ہیں: مشرق ومغرب میں کہیں کسی زبان میں آج کوئی بڑے سے بڑا دانشور ومحقق جو اسلامی علوم، حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، رجال، سیر، نحو ولغت اور اسلامی تاریخ

کسی موضوع پر قلم اٹھائے، اسے علامہ سیوطی کی تالیفات سے استفادہ کئے بغیر چارہ نہیں، یہ ان کا ایسا علمی فیضان ہے جو کم ہی کسی کو نصیب ہوا ہے۔

کتب حدیث میں "جمع الجوامع" کا مقام ومرتبہ:

خود شیخ علی متقی کا بیان ہے:

"انی وقفت علی کثیر مما دونه الائمة من کتب الحدیث فلم ارفیها اکثر جمعا ولاکبر نفعا من کتاب "جمع الجوامع" الذی الفه الامام العلامه عبدالرحمن جلال الدین السیوطی رحمة الله علیه سقی الله ثراه وجعل الجنة مثواه حیث جمع فیه من الاصول الستة وغیرها الآتی ذکرها عندرموزالکتاب وأودع فیه من الاحادیث الوفاومن الآثار صنوفا واجاده مع کثرة الجدوی وحسن الافانة"

ائمہ فن حدیث نے جو بہت کتابیں مدون کی ہیں، ان پر میری نظر ہے، میں نے ان میں سے "جمع الجوامع" جسے علامہ جلال الدین سیوطی نے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے اور جنت میں انہیں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اس میں صحاح ستہ اور دوسری کتابیں جن کی علامتیں انہوں نے بتائیں ہیں، سب ہی جمع کر دی ہیں، اس میں مختلف اصناف کی ہزار ہا احادیث وآثار یکجا کئے ہیں، کتاب کو خوب سے خوب تر اور مفید بنایا ہے، اس کتاب کی جامعیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ سیوطی نے پچاس سے زیادہ حدیث کی کتابوں سے اسے مرتب کیا ہے اور کوئی موضوع حدیث اس میں نقل نہیں فرمائی۔

جمع الجوامع کی انفرادیت اور عظمت ومقبولیت:

جب کہ حافظ سید عبدالحیٰ کنانی "فہرس الفہارس ولاثبات" میں لکھتے ہیں: علامہ جلال الدین سیوطی کی اہم اور عظیم تالیفات میں جو مسلمانوں پر ان کے عظیم احسانات میں سے ہے، ان کی کتاب جامع صغیر ہے اور اس سے زیادہ مبسوط "جامع کبیر" اور "جامع الجوامع" ہے، جس میں ہزاروں کی تعداد میں احادیث نبویہ کو حروف معجم پر مرتب کیا ہے، اور یہی دونوں وہ واحد معجم ہیں جو آج مسلمانوں میں متداول اور رواج پذیر ہیں، جن سے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو پہنچانتے ہیں، ان کی تخریج کرنے والوں کو جانتے، احادیث کے مرتبہ ومقام کا فی الجملہ علم حاصل کرتے ہیں۔

علامہ شیخ صالح عقیلی نے اپنی کتاب "العلم الشامخ" میں اظہار حیرت کے بعد لکھا ہے کہ کوئی بھی محدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث یکجا جمع کرنے کے درپے نہیں ہوا، یہ سعادت شاید اللہ تعالیٰ نے بعض متاخرین علماء کے لیے مقدر فرمائی تھی، اس نے یہ اعزاز وشرف جلال الدین سیوطی کو بخشا، اور انہیں کو اس کا اہل بنایا، اس اہم کام میں ان کا کوئی سہیم وشریک قریب دکھائی نہیں دیتا، جیسا کہ علامہ سیوطی اپنی کتاب "جمع الجوامع" میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

جمع الجوامع کی وجہ تسمیہ اور سال تالیف:

"کنزالعمال کا بنیادی ماخذ" جمع الجوامع حدیث کی مبسوط کتابوں کی جامع ہے، اس لیے یہ جامع الجوامع اور جامع کبیر کے نام سے بھی موسوم ہے، بعض قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تالیف کا آغاز ۹۰۴ھ میں اور اختتام ۹۱۱ھ تک ہوا، جو علامہ سیوطی کا سن وفات ہے، اس کی ترتیب وتدوین کا کام جاری رہا۔

"جمع الجوامع" دو حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصے میں تو قولی حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے، اور دوسرے حصے میں احادیث فعلی کا بیان ہے، علامہ سیوطی آغاز مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

"جمع الجوامع کی قولی حدیثوں کا حصہ جن میں ہر حدیث کی اول لفظ کو حروف تہجی کی ترتیب سے احادیث کو نقل کیا گیا ہے، کام پایہ تکمیل کو پہنچا تو میں نے باقی حدیثوں کو جو اس شرط سے خالی تھیں یا قول وفعل دونوں کی جامع تھیں، یا سبب مراجعت وغیرہ پر مشتمل تھیں انہیں جمع کرنا شروع کیا تاکہ یہ کتاب تمام موجودہ حدیثوں کی جامع بن جائے۔

احادیث نبوی کا گراں قدر مجموعہ:

اس کتاب میں حافظ سیوطی نے تمام احادیث نبوی کے حصر

واستیعاب کا ارادہ کیا ہے، موصوف فرماتے ہیں:

"قصدت فی جمع الجوامع الاحادیث النبویة باسرها"

میرا ارادہ تمام احادیث نبویہ کو ''جمع الجوامع'' میں جمع کرنا ہے، شیخ عبدالقادر شاذلی المتوفی ۹۳۵ھ دیباچہ ''المجامع'' میں علامہ سیوطی سے روایت کرتے ہیں:

"یقول اکثر مایوجد علی وجه الارض من الاحادیث النبویة القولیة والفعلیة مأة الف حدیث ونیف فجمع المصنف منها مأة ألف حدیث فی هذا الکتاب یعنی"الجامع الکبیر" موصوف فرماتے ہیں: روئے زمین پر زیادہ سے زیادہ جو قولی اور فعلی حدیثیں پائی جاتی ہیں، وہ دو لاکھ سے متجاوز ہیں، علامہ سیوطی نے ان میں سے ایک لاکھ حدیثیں اس کتاب یعنی ''جامع الکبیر'' میں جمع کی ہیں۔

کنز العمال کی عظمت واھمیت:

''جمع الجوامع'' کی عظمت واہمیت اور جامعیت وافادیت اپنی جگہ مسلم ہے، تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس کی ترتیب ہرگز ایسی نہیں تھی، جس سے ہر خاص وعام کو پورا پورا فائدہ ہوسکتا، اس سے وہی حضرات مستفید ہوسکتے تھے، جنھیں متعلقہ حدیث کے راوی کا نام معلوم ہو، یا حدیث کا ابتدائی جز یاد ہو، اس کے برعکس جنھیں ان باتوں کا علم نہیں وہ کماحقہ کتاب کے استفادے سے قاصر ہیں، اس امر کا کماحقہ احسان اس کے معاصر عارف ہندی ومسند حرم شیخ علی متقی کو ہوا، چنانچہ انہوں نے ''جمع الجوامع'' کو ابواب فقہ پر مرتب کیا۔

کنزالعمال کی فقھی اسلوب میں تبویب وتدوین:

شیخ علی متقی ''کنزالعمال'' کی فقہی انداز میں تبویب وتدوین کا سبب بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"لکن عاریا عن فوائد جلیلة (منها) ان من اراد ان یکشف من حدیثا وهوعالم بمفهومه لایمکنه الا ان حفظ رأس الحدیث ان کانا قولیا اواسم راویه ان کان فعلیا ومن لایکون کذلك تعسر علیه ذلك، ومنها ان من اراد ای یحفظ ویطلع علی جمیع احادیث البیع مثلاً واحادیث الصلوة او الزکوة او غیرها، لم یمکنه ذلك ایضاً الا اذا قلب جمع الکتاب ورقة ورقة وهذا ایضا عسیر جدا"۔

لیکن جمع الجوامع اہم فوائد سے خالی تھی، منجملہ ان کے یہ کہ جو کسی حدیث کے مفہوم سے واقف ہو اور وہ اسے تلاش کرنے کا خواہشمند ہو تو اس کے لیے اس متعلقہ حدیث کا نکالنا ممکن نہیں، ہاں اگر اسے اس حدیث قولی کا وہ کلمہ جس کی اسے تلاش ہے، یاد ہو، یا راوی کا نام اگر وہ حدیث فعلی ہے تو پھر اس کی تلاش مشکل نہیں، اور جسے یاد نہ ہو اس کے لیے تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔

انہی فوائد میں سے یہ ہے کہ خرید وفروخت، نماز یا زکوۃ وغیرہ کی تمام احادیث کا احاطہ کرے اور وہ ان سے واقف ہو تو اس کے لیے بھی یہ ممکن نہیں، مگر اس صورت میں کہ وہ (بالاستیعاب) پوری کتاب اور مکمل جلدوں کی ورق گردانی کرے اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر شیخ علی متقی نے ''جمع الجوامع'' کے پہلے حصے جامع صغیر کو ابواب فقہ پر مرتب کیا اور اس کا نام ''منہج العمال فی سنن الاقوال'' رکھا۔

پھر ان دونوں کو یکجا کر کے ''غایۃ العمال فی سنن الاقوال'' سے موسوم کیا اور جب مؤلف موصوف نے کتاب کا ایک حصہ مکمل کر لیا تو جمع الجوامع کا دوسرا حصہ جو فعلی احادیث پر مشتمل تھا مرتب کیا اور پوری کتاب کے ابواب کو ''جامع الاصول'' کی ترتیب کے مطابق حروف تہجی پر ترتیب دے کر اس کا نام ''کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال'' رکھا اور ۹۵۷ھ میں گویا پوری کتاب ''جمع الجوامع'' کو ابواب فقہ پر مرتب کر کے اس سے استفادہ آسان کر دیا۔

عالم اسلام میں کنزالعمال کی شھرت ومقبولیت:

شیخ علی متقی کے اس کام اور عظیم کی بنا پر احادیث نبوی کے اس مبسوط انتہائی اہم اور جامع ترین مجموعہ حدیث کو جسے ''کنزالعمال'' کے

نام سے جانا جاتا ہے، امت میں بے پناہ پذیرائی حاصل ہے، احادیث نبوی او رمدون کی گئی کتب میں اسے بے پناہ پذیرائی حاصل ہوئی، کتب حدیث میں اس کی عظمت واہمیت اورافادیت ہرسطح پر مسلم ہے، کتب حدیث میں حضرت شیخ علی متقی کے خلوص دینی جذبے اور اس عظیم کام کی اہمیت نے اس کی شہرت اور مقبولیت کو چار چاند لگائے، متعدد ضخیم جلدوں پر مشتمل اس عظیم کتاب کو ذخیرۂ حدیث میں جو مقام حاصل ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

''کنز العمال'' اسلامی دنیا سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے، یہ پہلی مرتبہ مجلس دارۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن سے ۱۳۱۲ھ میں آٹھ ضخیم جلدوں میں مولانا وحید الزماں حیدرآبادی کی تصحیح سے شائع کی گئی تھی۔

۱۳۸۲ھ میں مطبع میں مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن سے دوبارہ شائع ہوئی، بعدازاں موسسۃ الرسالہ بیروت سے شیخ بکر حیانی اور صفوۃ السقا کی تحقیق سے ۱۳۹۹ھ میں ۱۶؍ضخیم جلدوں میں شائع کی گئی، اس کے بعد دیگر کئی اداروں سے شائع ہو چکی ہے۔

اس سے متعلق تفصیل عبدالجبار عبدالرحمٰن کی کتاب ذخائر التراث العربی مطبوعہ جامعۃ البصرہ عراق اور مستشرق یوسف الیان سرکیس کی کتاب ''معجم المطبوعات العربیۃ والمعربۃ'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ندیم مرعشی اور اسامہ مرعشی نے ''کنز العمال'' کا انڈیکس المرشد الی کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں تیار کیا تھا جسے موسسۃ الرسالہ بیروت نے شائع کیا۔

کنز العمال کے اردو ترجمے کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی جاتی رہی، صحاح ستہ اور احادیث نبوی کی بعض دیگر اہم کتب نہ صرف اردو بلکہ دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمے کے بعد شائع ہو چکی ہیں، کنز العمال جیسی ضخیم اور کئی جلدوں پر مشتمل اس کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالنا، ترجمے کی تمام رعایتوں کو ملحوظ رکھنا اور اسے اعلیٰ معیار اور دیدہ زیب انداز میں شائع کرنا جس کی بدولت اس کی افادیت مزید عام ہو سکے، بلاشبہ ایک عظیم علمی اور دینی خدمت ہے، میری معلومات کے مطابق ''کنز العمال'' کا بتمام وکمال اور کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل اس عظیم ذخیرہ حدیث کا ترجمہ نہ صرف اردو بلکہ دنیا کی تمام عالمی زبانوں میں ہونا چاہئے، اولین ترجمہ اس حوالے سے ملک کے معروف علمی واشاعتی ادارے ''دارالاشاعت'' کے مدیر محترم خلیل اشرف عثمانی اور ہندوستان میں ادارہ اشاعت اسلام دیوبند کے مالک محمد عارف صدیقی لائق مبارکباد ہیں کہ انہوں نے یہ عظیم خدمت انجام دی، بارگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ اللہ عزوجل ''جمع الجوامع'' کے مؤلف علامہ جلال الدین سیوطی (جن کی کتاب کنز العمال کا بنیادی مرجع وماخذ ہے) مؤلف کتاب شیخ علی متقی الہندی، مترجم ناشر اور خود اس راقم الحروف کے لیے بخشش ومغفرت کا ذریعہ اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا وسیلہ بنائے، کنز العمال کی شہرت ومقبولیت اور عظمت وافادیت کو مزید عام فرمائے۔ آمین

❁❁❁❁

اطلاع عام

تمام قارئین کو یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ اس ہوش ربا گرانی میں جہاں ہر چیز کی قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے، وہیں رسالہ کے متعلق جتنے لوازمات ہیں، ان میں بھی قدرے اضافہ ہوا ہے، اس لیے ماہ جنوری ۲۰۱۱ء سے اس میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔

واضح ہو کہ پہلے اس کی سالانہ ممبری فیس ۱۰۰؍روپے تھی اور عزیز طلبہ کرام کے پچاس روپے تھی، مگر اب ادارہ نے مشورہ کے بعد جنوری کے شمارہ سے سالانہ ممبری ۱۲۰؍روپے اور عزیز طلبہ کے لئے ۶۰؍روپے رکھی ہے، اس لیے تمام قارئین اس کا خاص خیال رکھیں۔ (ادارہ)

❁❁❁❁

یادرفتگاں

دارالعلوم دیوبند کا بیدار مغز مہتمم نہ رہا

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد

اللہ تعالی نے دنیا میں دینی تحریکوں، دینی اداروں اور انجمنوں کو اسلام کی اشاعت وحفاظت کا ذریعہ بنا رکھا ہے، اور یہ نظام قرن اول سے ہی چلا آرہا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اکثر ہر پیش رو اپنے سلف کا صحیح خلف نہیں ہو پاتا، اس لیے کہ جس قدر خیر القرون سے بعد اور دوری ہوتی جائے گی، اسی قدر امت کے رجال کار میں انحطاط اور تنزل ہوتا جائے گا، اور یہ بھی منشاء الٰہی کے مطابق ہے۔

دارالعلوم دیوبند ملت اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل ہے، جس کی عظمت وعزت اور جس کا احترام وعقیدت ہر صحیح راسخ العقیدہ مومن کے دل میں ہے، یہ اور اس طرح کے ادارے اسلامی افکار ونظریات اور آسمانی تعلیمات وہدایات کی نشر واشاعت کے ہیڈ کوارٹر یا پاور ہاؤس ہوتے ہیں، اور چونکہ یہ بظاہر اسلام کی بقاء کے ضامن ہوتے ہیں، اس لیے جن کے ہاتھوں میں ان جیسے اداروں کی باگ ڈور ہوتی ہیں وہ خود بہت سعید، پاکباز، پاک طینت اور انسانیت کی کشتی کے ملاح اور اصطلاحی زبان میں وارثین انبیاء ہوتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند جس کی تاریخ درخشاں، جس کا ماضی شاندار، جس کا حال تابناک اور جس کا مستقبل مُشرق وروشن ہے، اس کو اللہ تعالی نے ہر زمانے میں اچھا اہتمام کرنے والے، اس کی ذمہ داریوں کو نبھانے والے، اس کے کاموں کو چار چاند لگانیوالے، اس کے مشن کو آگے بڑھانے والے اور اس کے پیغام اور آواز کو چہار دانگ عالم میں پہنچانے والے نفوس قدسیہ اور اصحاب عزیمت افراد عطا فرمائے ہیں، جن کی عظمتوں اور جن کے تقدس کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند جس کے میر کارواں و مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری جو یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸/دسمبر ۲۰۱۰ء کو فیصلہ خداوندی کے مطابق واصل بحق ہوگئے، وہ اپنی اعلی خصوصیات وصفات، اپنے اخلاق وکردار، اپنے انتظام وانصرام، اپنے حسن تدبیر وحسن تفکر اور اپنی بیدار مغزی اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے، انہوں نے دارالعلوم دیوبند کو چمکانے، اس کی تعمیر وترقی میں، اس کے پیغام ومشن کو عام کرنے میں، اس کے انتظام وانصرام کو بہتر کرنے میں جس اعلی صلاحیت کا نمونہ پیش فرمایا ہے، یہ ناکارہ سمجھتا ہے کہ یہ سب منجاب اللہ، ان کے موفق من اللہ اور موہوب من اللہ ہونے کی دلیل ہے، بظاہر وہ نہ درس وتدریس کے آدمی تھے، نہ تقریر وتحریر کے، نہ تزکیہ واحسان کے، نہ مجلس ودیوان کے اور نہ اپنی ذات میں ایک انجمن کے، عوام تو عوام بعض دارالعلوم کے ملازمین بھی ان کو گونگا مہتمم کہتے تھے، مگر قربان جایئے مرغوب الرحمٰن کے مرغوبیت پر، محبوبیت پر، مرعوبیت پر، تدین پر، تقوی وطہارت پر، امانت ودیانت پر، صداقت وشجاعت پر جود وسخا پر، متانت وسنجیدگی پر، عظمت پر، تقدس پر، احترام پر اور ان کی اس مقبولیت پر کہ وہ ۳۰/سال کے قریب دارالعلوم جیسے ہمہ گیر ادارے کے اہتمام پر فائز رہے اور بظاہر کچھ باصلاحیت نہ ہوکر بھی باصلاحیتوں کی کشتی کو پار لگانیوالے کامیاب ملاح قرار پائے۔

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب ۱۹۱۴ء میں بجنور کے ایک متمول اور رئیس خاندان میں پیدا ہوئے تھے، اور ان کے والد بھی دارالعلوم کے فاضل تھے، اور دارالعلوم سے ان کا قدیم خاندانی تعلق

تھا، ابتدائی تعلیم انہوں نے بجنور کے مدرسہ رحیمیہ میں حاصل کی، مگر اعلی تعلیم کے لیے وہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور یہاں انہوں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی اور فقیہ الامت مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی جیسے سلاطین علم وادب سے علم حاصل کیا اور ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد کچھ وقت کے لیے تعلیمی انقطاع رہا، اس کے بعد انہوں نے پھر دارالعلوم کے شعبہ افتاء میں داخل ہو کر فقہ وافتاء میں تخصص کیا۔

چونکہ وہ خاندانی اعتبار سے زمیندار، رئیس تھے، اس لیے زیادہ تر وقت گھریلو کاموں میں صرف ہوا، ان کے والد اگر چہ حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری دارالعلوم کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، اور دارالعلوم سے ان کا خاندانی تعلق تھا، اس لیے ۱۹۶۲ء میں ان کو دارالعلوم کی شوری کا رکن منتخب کیا گیا، اور انہوں نے شوری میں اپنی پابندی سے حاضری، اور اپنے وقیع واہم مشورے اور اصابت رائے کی بناپر اپنی صلاحیت، اپنے فہم وتدبر، اپنے تقوی وورع اپنی بیدار مغزی و تیقظ اور کردار وعمل کا ایسا اثر چھوڑا کہ جب دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ؒضعیف ہو گئے تو ۱۹۸۱ء میں ان کو حضرت قاری صاحب کا معاون بنایا گیا، اس کے بعد ۱۹۸۲ء میں مجلس شوری نے مستقل آپ کو دارالعلوم کے اہتمام کے منصب پر فائز کر دیا، جس پر آپ تادم واپسیں فائز رہے۔

دارالعلوم دیوبند نے آپ کے ۲۸ر سالہ دور میں جو ترقی کی، وہ سب آپ کے نامہ اعمال میں ہے، اور دارالعلوم دیوبند کے ساتھ خود آپ کی زندگی کا ایک سنہرا باب ہے، تعمیری اعتبار سے جو ترقی ہے وہ جدید عمارات کی شکل میں سب کے سامنے ہے، مثلاً شیخ الہند، شیخ الاسلام اور حکیم الامت جیسے اکابرین کی طرف منسوب عمارتیں، اور دارالعلوم کی پرشکوہ مسجد ''جامع رشید'' جو قابل دید ہے، لائبریری کی آٹھ منزلہ عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد آپ کے دور میں رکھا گیا، دار جدید کی قدیم عمارت کی تجدید وتوسیع بھی آپ کے دور کا اہم کارنامہ ہے، ان کے ابتدائی دور میں دارالعلوم کا سالانہ بجٹ ایک کروڑ سے بھی کم تھا، آج تیرہ چودہ کروڑ روپئے ہے۔

تعلیمی اعتبار سے جو ترقی ہے، اس میں بہت سے نئے شعبوں کا افتتاح اور قیام عمل میں آیا، نصاب تعلیم میں کسی قدر عصری تقاضوں کے پیش نظر ہم آہنگی کی گئی، شعبہ انگلش، شعبہ کمپیوٹر قائم ہوا، شیخ الہند اکیڈمی اور دیگر تخصصات کے شعبے آپ ہی کے دور اہتمام میں قائم ہوئے، ابتدائی درجات کی تعلیم کا نظام بہت ٹھوس اور مضبوط بنایا گیا، جس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آئے، رابطہ مدارس اسلامیہ مستقل ایک شعبہ قائم کیا گیا، غرضیکہ آپ کے دور میں دارالعلوم نے ہر اعتبار سے ترقی کی راہیں اختیار کیں، اور دارالعلوم کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوا، آپ کے دور کی سب سے اہم خصوصیت یہ رہی کہ کوئی شورش برپا نہیں ہوئی، کوئی اسٹرائک نہیں ہوا۔

جن حالات میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو مہتمم بنایا گیا، وہ انتہائی خطرناک اور آزمائش کے حالات تھے، مگر جس جوانمردی، پامردی، اخلاص وتوکل اور اعتماد علی اللہ کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے، اس سے خود آپ کے اور دارالعلوم کے وقار میں اضافہ ہوا، آپ کی جہاں بہت ساری خصوصیات ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کبھی بھی دارالعلوم کو نقصان اور خسارہ آپ کی ذات سے نہیں پہنچا، کیونکہ آپ نے دارالعلوم کا ایک حبہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا، جب وہ دارالعلوم کی شوری کے رکن تھے، تو ہر شوری واجلاس کے موقع پر اپنے اہل تعلق کے یہاں ٹھہرتے اور کھاتے، مہمان خانہ استعمال نہ کرتے، اور جب مہتمم بنائے گئے تب بھی دارالعلوم کا کوئی سامان اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا، یہاں تک کہ جس کمرہ میں قیام رہتا تھا، اس کا اور بجلی کا ماہ بماہ کرایہ دفتر محاسبی کو جمع کراتے تھے، مہتمم تو بہت اور ایک سے ایک ملیں گے، مگر ان صفات کا حامل شاید و باید، بس اللہ ہی جس کو نواز دے۔

حضرت مولانا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جس بات کو کہتے تھے

پورے تیقظ واتقان کے ساتھ، پورے استقلال اور جوانمردی کے ساتھ، اس میں کوئی لچک نہیں ہوتی تھی، ہر معاملہ میں ان کی رائے اور احتیاط قابل تعریف ہوتی تھی، انٹرنیشنل ایشوز پر بھی ان کی باتیں میڈیا کے ذریعہ عوام تک پہنچتی رہتی تھیں، لیکن کبھی کسی نے ان کی بات پر انگلی نہیں اٹھائی، انہوں نے کسی کو تنقید کا موقع نہیں دیا، اس لیے کہ حالات حاضرہ کے مسائل پر ان کی نظر گہری تھی اور وہ انتہائی زیرک، دور اندیش، مدبر اور مفکر انسان تھے، غرضیکہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بہت سی خصوصیات کے حامل عالم دین تھے۔

ایک مرتبہ غالباً فروری ۲۰۰۷ء کی ۳؍یا ۴؍تاریخ میں ایک جنوبی افریقہ کے مہمان کے ساتھ دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کا موقع ملا، اتفاق سے اس وقت ایک غیر ملکی انگریز حضرت مہتمم صاحب سے سوالات کر کے انٹرویو لے رہا تھا، وہ پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ اس کے ہر سوال کا جواب اطمینان بخش دے رہے تھے، اور جناب عادل صدیقی صاحب ترجمانی کر رہے تھے، اس وقت اندازہ ہوا کہ لوگ حضرت مہتمم صاحب کو گونگا کہتے ہیں، یہ گونگا نہیں بلکہ یہ دارالعلوم کے بیدار مغز مدبر، مفکر اور دور اندیش مرشد و مربی ہیں۔

ہم مانتے ہیں کہ وہ نہ لکھتے تھے، نہ تقریر کرتے تھے، مگر کتنے مصنفین، محدثین، مقررین، مفسرین، بحرالعلوم اور امام المعقولات والمنقولات ان سے روحانی طاقت وقوت اور اسپرٹ حاصل کرتے تھے، اس لیے کہ وہ دارالعلوم کے مہتمم تھے، دارالعلوم کے میر کارواں تھے، باقی جتنے تھے اور جس درجہ کے بھی ہوں، سب ان کے تابع تھے، اس لیے ان کو چاہے مہتمم دارالعلوم کہیں، یا رئیس العلماء کہیں یا ابوالعلماء کہیں، یا مشرف العلماء یا امیر العلماء والمحدثین والفقہاء جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، ان کے اندر جو صفات وخصوصیات تھیں وہ کم لوگوں میں ہوتی ہیں۔

مگر چونکہ اس دنیا کا ایک نظام ہے، جو یہاں آیا وہ جانے ہی کے لیے آیا ہے، اور جس نے یہاں کچھ کیا اس کی مزدوری اس کو آخرت میں ملنی ہے، اس لیے اسی راہ کو اختیار کرتے ہوئے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے بھی یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء صبح کے وقت اپنے وطن بجنور میں سفر آخرت اختیار کر لیا، اور قمری ماہ وسال کے حساب سے تقریباً سو سال اور شمسی حساب سے چھیانوے سال اس عارضی وطن میں زندگی گزار کر چلے گئے، اور اسی دن شب میں دیوبند میں مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی، پسماندگان میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی، باقیات الصالحات میں علماء دیوبند اور دارالعلوم دیوبند اور ہر اہل تعلق مسلمان کو چھوڑا۔

اللہ تعالی حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو غریق رحمت کرے، اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان پر خاتمہ کے ساتھ کل قیامت کے دن ان پاک روحوں کے ساتھ حشر فرمائے۔ آمین

قلم کار حضرات متوجہ ہوں!

ماہنامہ ”نقوش اسلام“ کے لیے اپنے دینی، اصلاحی، ادبی، دعوتی، تاریخی اور تحقیقی مضامین ارسال فرما کر اس دعوتی مشن کو آگے بڑھانے میں ہمارا تعاون کریں۔

- مضامین خوشخط، صاف اور کاغذ کے صرف ایک طرف ہی تحریر فرمائیں۔
- مضامین ارسال کرتے وقت رسالہ کے معیار اور علمی ذوق کا خاص لحاظ رکھیں۔
- شائع شدہ مضامین شامل اشاعت نہیں ہوں گے۔
- ناقابل اشاعت ہونے کی صورت میں مضامین واپس نہیں کیے جائیں گے۔

نیز نقوش اسلام کے اندر شامل مضامین میں قلمکار حضرات جو رائے پیش کرتے ہیں، وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہوتی ہے، اس سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ادارہ)

دعوت دین

اسلام میں سو فیصد داخل ہو جاؤ!

محمد مسعود عزیزی ندوی

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو ۲۳/ جولائی ۲۰۱۰ء بروز جمعہ مرکز کی جامع مسجد میں نماز جمعہ سے پہلے نمازیوں کے ایک مجمع کے سامنے ہوا، اس کی افادیت کے پیش نظر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالی کا مختلف انداز سے خطاب کرنا:

میرے محترم دینی بھائیو! اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم کے اندر انسانوں کو مختلف انداز سے خطاب کیا ہے، کہیں پر کہا ہے کہ اے لوگو! اور کہیں پر کہا ہے، اے ایمان والو! مختلف انداز سے خطاب کیا ہے، اور کہیں پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ اے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ امت سے یہ کہہ دیجئے، آپ لوگوں سے یہ کہہ دیجئے، اللہ تعالی کے پیغامات پہنچانے کے مختلف انداز ہیں، جہاں جس نوعیت کے پیغام کی اہمیت وضرورت ہے، وہاں اسی انداز سے اللہ تبارک وتعالی نے خطاب کیا ہے، قرآن کریم کی اس آیت کے اندر اللہ تبارک وتعالی نے مؤمنوں کو خطاب کیا ہے "یا ایھا الذین آمنوا" کافروں کو خطاب نہیں کیا، غیر مسلموں کو خطاب نہیں کیا، بلکہ فرمایا کہ اے ایمان والو! جو ایمان لائے اللہ پر، جو ایمان لائے اس کے رسولوں پر، جو ایمان لائے اس کی کتابوں پر، جو ایمان لائے آخرت کے دن پر، جو ایمان لائے اس کے فرشتوں پر، جو ایمان لائے اچھی بری تقدیر پر کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، جو ایمان لائے مرنے کے بعد جی اٹھنے پر، اور جو ایمان لائے اس بات پر کہ سب کچھ اللہ تعالی کے حکم سے ہے، وہی اس کائنات کا پیدا کرنے والا ہے، وہی اس کائنات کے نظام کو چلانے والا ہے "الا لہ الخلق والامر" جو اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسی نے اس کائنات کو پیدا کیا، وہی اس کے نظام کو چلاتا ہے، ان لوگوں کو خطاب کیا ہے۔

اسلام میں داخل ہونے کا مطلب:

اے ایمان والو! تم اسلام کے اندر پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، سو فیصد داخل ہو جاؤ "ادخلوا فی السلم کافۃ" آدھا تیتر آدھا بٹیر والی بات نہ ہونے پائے کہ صرف مسلمان کے گھر میں پیدا ہو گئے، عبداللہ، عبدالرحمٰن نام ہے، شکیل جمیل نام ہے، مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گئے، یہ تو ٹھیک ہے، لیکن پھر بھی ایمان والوں کو الگ سے خطاب کیا گیا ہے کہ اسلام کے اندر سو فیصد داخل ہو جاؤ، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری ہر طرح کی زندگی جو اجتماعی زندگی ہے وہ بھی، جو انفرادی زندگی ہے وہ بھی، کاشت کی جو زندگی ہے وہ بھی، ہماری تجارت کی جو زندگی ہے وہ بھی، اسی طریقہ سے معاشی، سیاسی واقتصادی زندگی کے جتنے بھی میدان ہیں، ان تمام میدانوں کے اندر اسلام کو نافذ کرنا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کے جو احکامات ہیں ان پر عمل پیرا ہونا ہے، اگر ہم اس پر عمل پیرا ہو جائیں گے، تو پھر ہمیں اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے گارنٹی ملے گی اور اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ہم کو انعام ملے گا، کہ ہم کامیاب ہیں، اور اگر اس کے خلاف ہم زندگی گزار رہے ہیں، ہم مسلمان والے اعمال نہیں کر رہے ہیں، نام ہمارے مسلمان والے ہیں، ہماری زندگی دیکھنے میں مسلمانوں والی ہے؛ لیکن حقیقت میں اسلام والی نہیں ہے، تو پھر اس زندگی پر کوئی ضمانت نہیں ہے، اس زندگی پر کوئی گارنٹی نہیں ہے۔

حیاۃ طیبہ کا استحقاق:

اگر سچی پکی زندگی ہے، ایمان والی اور عمل صالح والی زندگی ہے، تو

اس پر اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہے "من عمل صالحا من ذکر اوانثی وھو مؤمن فلنحیینه حیاة طیبة" اگر سو پرسینٹ آپ نے ایمان والی زندگی گزاری، سو پرسینٹ اللہ والی اور رسول والی زندگی گزاری، صحابہ کرام والی زندگی آپ لوگوں نے گزاری، تو اللہ کہتے ہیں ہم تم کو "حیاۃ طیبہ" دیں گے، حیات طیبہ یہاں اس دنیا والی زندگی کے اندر بھی راحت وآرام دیں گے، اور آنکھ بند ہونے کے بعد آخرت والی جو زندگی ہے، اس کے اندر بھی آرام وسکون دیں گے، اس کے اندر بھی آپ لوگوں کا استقبال کیا جائے گا۔

اللہ کی طرف سے استقبال:

اور استقبال کس طریقہ سے کیا جائے گا، جب اس دنیا سے جائیں گے، اس دنیا سے جانے کے وقت اللہ تبارک وتعالی کے فرشتے کھڑے ہوئے ہوں گے اور وہ کہیں گے آؤ، اللہ تعالی خود کہیں گے: "یاایتھاالنفس المطمئنة ارجعی إلی ربك راضیة مرضیة، فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" اور وہ کہیں گے آؤ بھائی آؤ، اور اللہ خود کہیں گے، آنے دو بھائی آنے دو، یہ تو ہمارا خاص ہے، اس کے لیے تو ہم نے اسپیشل انتظام کیا ہے، اسپیشل روم سجایا ہے، اسپیشل اس کے لیے جنت ہے، یہ جنرل وارڈ میں نہیں جائے گا، جنرل مہمان خانے میں نہیں جائے گا، اسپیشل اس کے لیے ہم نے انتظام کیا ہے، یہاں آنے دو اس کو کیونکہ اس نے اس طریقے سے زندگی گزاری ہے، جو طریقہ اللہ تعالی کو پسند ہے، جو طریقہ اللہ تعالی کے رسول کو پسند ہے، اور جس طریقے سے اللہ کے رسول کے صحابہ کرام نے زندگی گزاری ہے، اس طریقے سے اس نے زندگی گزاری ہے، اس لیے اس کو ہمارے اسپیشل مہمان خانے میں لے آؤ، یہاں اس کا استقبال کیا جائے گا، اور ہمارے خاص بندوں کی لسٹ میں اس کا نام شمار کیا جائے گا، اس کو ادھر لے آؤ، اور یہ کب ہوگا جب ہم پکے اور سچے مسلمان ہو جائیں گے، اور ایسے مسلمان کہ ہماری زندگی سے، ہمارے ہر عمل سے، ہمارے اجتماعی عمل سے، انفرادی عمل سے، گھر کے عمل سے، بازار کے عمل سے، کھیتی کے عمل سے کسی کو تکلیف نہیں ہوگی، اور اگر کسی کو تکلیف ہوگی تو ایمان کچا، اس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کہ پکا سچا مسلمان وہ ہے جس کے شر سے، جس کی زبان سے، جس کے ہاتھ سے، جس کے کردار سے، جس کے اخلاق سے، جس کی زندگی کے شب وروز سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں، وہ پکا سچا مسلمان ہے، اور پکا سچا مسلمان وہی ہوگا جس کی زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے مطابق گزرے گی، اور وہ اسلام پر سو فیصد عامل ہوگا، اس کی زندگی ایسی ہوگی کہ اس نے کسی کو تکلیف نہیں دی ہوگی، اور اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے وہ اس انعام کا مستحق ہوگا، اور اس کو حیاۃ طیبہ ملے گی، اس دنیا کے اندر بھی اس کو آرام وسکون ملے گا اور آنے والی زندگی کے اندر بھی۔

مسلمان کثرت کے باوجود بے حیثیت:

میرے دوستو! اللہ تعالی نے قرآن کریم کی اس آیت کے اندر یہ ہی بات ارشاد فرمائی کہ اے ایمان والو! پکے سچے مسلمان بن جاؤ، ایمان میں سو فیصد داخل ہو جاؤ، صرف نام کے نہ رہو، بلکہ کام کے بن جاؤ، نام کے مسلمانوں کی تو بھیڑ ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یوشك الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلة إلی قصعتها فقال قائل ومن قلة نحن یومئذ" کہ ایک زمانہ آئیگا، اور دنیا میں تمہاری حیثیت ایسی ہوگی جیسے دسترخوان پر روٹی اور بوٹی کی، تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سوال کیا یا رسول اللہ کیا اس وقت ہماری تعداد کم ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں "قال بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل" بلکہ اس وقت تو تمہاری تعداد زیادہ ہوگی، اربوں کھربوں ہوگی؛ لیکن تمہارے ایمان کے اندر طاقت نہیں ہوگی، تمہاری روح کے اندر طاقت نہیں ہوگی، تمہارے اعمال کے اندر وہ طاقت نہیں ہوگی، اس لیے تمہاری کثرت ہونے کے باوجود بھی تم دنیا کے اندر بے حیثیت ہوگے

اور پانی کے جھاگ کے مانند ہوں گے۔

اپنے دوفٹ کے حصے پر اسلام کو نافذ کرلو:

اس لیے میرے دوستو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اور خود قرآن کریم کے اس خطاب کو سنتے ہوئے، ہمیں اپنی زندگی سو فیصد اسلام کے مطابق گزارنی چاہئے، اس کی نیت کرنی چاہئے، اگر ہم نہ بھی کرسکیں، تو نیت میں تو کوئی حرج نہیں، اس لیے جس نے نیت کرلی، اور اس پر وہ عامل نہ ہوسکا، اسی وقت سے اس کا ثواب اس کے حق میں لکھا جانا شروع ہوجاتا ہے، اگر آپ لوگ اس کی نیت کرلیں کہ آج سے ہم اپنی زندگی کے اندر، ہم اپنے دوفٹ کے حصے کے اندر اسلام کو داخل کرتے ہیں، اور خود ہم اسلام کے اندر داخل ہوتے ہیں، تو ان شاء اللہ، اللہ تعالی کی طرف سے ابھی سے ثواب مرتب ہونے لگ جائے گا، اور ابھی پکے سچے مؤمنین میں شمار ہونے لگے گا، اعمال کا جہاں تک تعلق ہے، کوشش کی جائے اور کرنی چاہئے، اللہ تبارک وتعالی نیتوں کو دیکھتے ہیں۔

شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو:

دوستو! شیطان کے نقش قدم پر نہیں چلنا "ولاتتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین" قدم قدم پر شیطان کے اڈے ہیں، قدم قدم پر اس کی چوکیاں ہیں، قدم قدم پر اس کی طرف سے نمائشیں لگی ہوئی ہیں، قدم قدم پر وہ آپ کو طاق طاق کر اور جھانک کر دیکھ رہا ہے، کون ایمان والا آرہا ہے، اس کو بھٹکاؤں، کون اللہ کا نام لینے والا آرہا ہے، اس کو گمراہ کرو، کون داڑھی والا آرہا ہے، کون کلمہ پڑھنے والا آرہا ہے، اس کو گمراہ کروں اور اس کی زندگی کو برباد کروں، وہ اس ٹوہ میں رہتا ہے، اور وہ اللہ سے مہلت لے چکا ہے کہ تیرے بندوں کو بھٹکاتا رہوں گا "قال رب بما أغویتني لأزيّننّ لهم فی الارض ولأغوینهم أجمعین، الا عبادك منهم المخلصین، قال فانظرني إلى یوم یبعثون، قال فانك من المنظرین" اللہ نے اس کی بات کو قبول کیا ہے، اس لیے وہ قیامت تک کرتا رہے گا، بس اللہ کے مخلص بندے اس کے چنگل میں نہیں آسکتے، اللہ نے کہا تجھ کو مہلت ہے، اس کے لیے ہمیں کوشش کرنی ہے اور فکر کرنی ہے کہ ہم اللہ کے مخلص بندے بن جائیں "ولاتتبعوا خطوات الشیطان" شیطان کے نقش قدم پر نہ چلیں "ومن یتبع خطوات الشیطان فانه یامر بالفحشاء والمنکر" جو شیطان کے نقش قدم پر چلے گا اس کو وہ برائیوں کا، گناہوں کا، غلط کاریوں کا اور دنیا بھر کی خرافات کا حکم دے گا، اس لیے اس کی پیروی نہیں کرنا، اس کی اتباع میں اپنے چہرے کو شیطان کے انداز پر نہیں بنانا، اللہ کے رسول کے مطابق اپنی داڑھیوں کو رکھنا ہے، اس لیے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داڑھیوں کو بڑھاؤ، مونچھوں کو کٹاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو "جزوا لشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس" اگر اس کے مطابق کریں گے تو ہمارا چہرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوگا۔

تقوی کا لباس بہتر ہے:

ہمارا لباس اللہ کے رسول کی پسند کے مطابق شریفانہ ہو، اور جس سے تقوی کی بو آتی ہو جو پرہیزگاری کا لباس معلوم ہوتا ہو، ایسا لباس ہونا چاہئے، اور وہ ہے لباس تقوی کا "ولباس التقوی ذلك خیر" سب سے اچھا لباس تقوی کا ہے، عام لباس سے ہماری ظاہری زندگی کی، ظاہری جسم کی حفاظت ہوتی ہے؛ لیکن تقوی کے لباس سے ہماری روحانی زندگی کی بھی حفاظت ہوتی ہے اور اس سے ہمارے دل کی، ہمارے دماغ کی، ہمارے اعمال کی ہر چیز کی حفاظت ہوتی ہے: "ولباس التقوی ذلك خیر"۔

ظاہری لباس بھی اچھا ہو اور تقوی کا لباس بھی تو ان شاء اللہ، اللہ کے حکم سے اور اللہ کے فضل سے ہماری زندگی ایسی زندگی ہوگی جو مطلوب ہے اور مقصود ہے، تو دوستو! آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کہاں کہاں پر شیطانوں کے اڈے ہیں اور کہاں کہاں پر ان کی کارروائی ہورہی ہے، اور کہاں کہاں پر ان کے نمائندے بیٹھے ہوئے ہیں، تو وہ اچھے انداز میں پیش کرتے ہیں...... ﴿بقیہ اگلے صفحہ ۴۴ پر﴾

ترغیبات

دل کی دنیا، مقام صبر وشکر

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:"یاایھا الذین آمنوا اصبروا!"اے ایمان والو! صبر کرو۔

صبر کی حقیقت :

انسان کے اندر دو قوتیں ہیں ایک دین پر ابھارتی ہے، دوسری خواہشات نفسانی پر، دین پر ابھارنے والی قوت کو خواہشات نفسانی پر غالب کر دینا صبر ہے، یعنی ناگوار بات پر نفس کو قابو میں رکھنا آپے سے باہر نہ ہونا، وہ ناگوار امر خواہ کچھ بھی ہو۔

صبر کی اقسام :

(۱) صبر علی العمل نفس کو کسی کام پر روک لینا مثلاً نماز، زکوۃ وغیرہ کی پابندی کرنا اور بلا ناغہ ان کو ادا کرتے رہنا۔

(۲) صبر فی العمل عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا، مثلاً نماز پڑھنے کھڑے ہو یا ذکر میں مشغول ہو تو نفس کو یہ سمجھا دینا کہ تم اتنی دیر تک نماز اور ذکر کے سوا اور کوئی کام نہیں کر سکتے، دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرنا فضول ہے۔

(۳) صبر عن العمل نفس کو ما نہی اللہ عنہ جن باتوں سے اللہ تعالی نے روکا ہے، ان سے رکنا یعنی تمام معاصی سے نفس کو روکنا مصائب اور آزمائش پر صبر کرنا، حق تعالی فرماتے ہیں:"والصابرین فی الباسآء والضرآء وحین الباس" وہ صبر کرنے والے ہیں، باسآء میں اور ضرآء میں اور باس کے وقت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن پر تعجب ہے کہ اس کی ہر بات بہتر ہے، اور یہ کسی کو میسر نہیں مگر مومن ہی کو اگر اس کو خوشی پہنچی تو شکر کیا اور اگر اس کو سختی پہنچی تو صبر کیا، پس یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

بآساء سے مراد فقر و تنگدستی ہے، یعنی فقر و تنگدستی میں صبر کرے، خدا تعالی پر نظر رکھے، مخلوق کے مال و دولت پر نظر نہ کرے، نہ ان سے توقع رکھے، اور ضرآء سے مراد بیماری ہے، یعنی لوگوں سے شکایت نہ کرتا پھرے اور باس سے مراد شدت و پریشانی ہے، اس میں مستقل مزاج رہے، جس کا ایک فرد صبر عند الحرب بھی ہے، یعنی جہاد کے وقت لڑائی میں ثابت قدم رہے، خلاصہ: جب مقام صبر کامل ہو جاتا ہے، تو توحید بھی کامل ہو جاتی ہے، سبحان اللہ! حدیث شریف میں ہے"الصبر نصف الایمان"صبر نصف ایمان ہے۔

صبر کرنے والے اللہ کے محبوب بندے ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" اذا احب اللہ عبداً صب علیہ البلاء صبا" اللہ تعالی جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس پر مختلف قسم کی آزمائشیں اور تکالیف بھیجتے ہیں، وہ آزمائشیں اور تکالیف اس پر بارش کی طرح برستی ہیں، بعض روایت میں ہے کہ فرشتے پوچھتے ہیں کہ یا اللہ یہ تو آپ کا محبوب بندہ ہے، نیک بندہ ہے، آپ سے محبت کرنے والا ہے، تو پھر اس بندے پر اتنی آزمائشیں اور تکالیف کیوں بھیجی جارہی ہیں؟ جواب میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اس بندے کو اسی حال میں رہنے دو، اس لیے کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ میں اس کی دعا کی اور اس کی گریہ وزاری اور آہ و بکا کی آواز سنوں۔

صبر کرنے والوں پر انعامات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"اشد الناس بلاءً الانبیاء

ثم الامثل فالامثال" یعنی اس دنیامیں سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء علیہم السلام پر آئی ہیں، پھر اس کے بعد جو شخص انبیاء علیہم السلام سے جتنا قریب اور جتنا تعلق رکھنے والا ہوتا ہے، اس پر اتنی ہی زیادہ آزمائشیں آئیں گی، حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالی تکالیف پر صبر کرنے والوں کو آخرت میں انعام عطا فرمائیں گے تو دوسرے لوگ ان انعامات کو دیکھ کر یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں اور اس پر ہم صبر کرتے، تو آج ہم بھی ان انعامات کے مستحق ہوتے۔

صبر کرنے والوں پر اللہ تعالی کی رحمتیں:

اللہ تعالی فرماتے ہیں "ولنبلونكم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشرالصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون، اولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة واولئك هم المهتدون"۔ (سورہ بقرہ پارہ۲/ رکوع۳)

اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں اور جانوں کے اور میووں کے اور خوشخبری دے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے ان کو کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں، اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں، اپنے رب کی اور مہربانی، اور وہی ہیں سیدھی راہ پر ۔(ترجمہ حضرت شیخ الہند)

یعنی جن لوگوں نے ان مصائب پر صبر کیا اور کفران نعمت نہ کیا، بلکہ ان مصائب کو وسیلہ ذکر وشکر بنایا تو ان کو اے پیغمبر ہماری طرف سے بشارت سنا دو، بہرحال یہ اللہ تعالی کا نظام ہے کہ اللہ تعالی اپنے نیک بندوں کو بعض اوقات اس لیے تکلیفیں دیتے ہیں تاکہ ان کے درجات بلند فرمائیں، حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان کو جو ایک کانٹا لگتا ہے وہ اس کے لئے حسنہ ہے، ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چراغ بجھ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "انا للہ" پڑھا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ بھی مصیبت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں جس چیز سے مسلمان کو تکلیف ہو وہ مصیبت ہے، اور اس پر ثواب کا وعدہ ہے۔

تکالیف مانگنے کی چیز نہیں:

یعنی آدمی یہ دعا کرے یا اللہ! مجھے تکلیف دیدے؛ لیکن جب تکلیف آجائے تو وہ صبر کرے، صبر کا مطلب ہے اس پر گلہ وشکوہ نہ کرے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تکالیف سے پناہ مانگی ہے، ایک دعا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اللہ! میں آپ سے بری بری بیماریوں سے اور برے برے امراض سے پناہ مانگتا ہوں؛ لیکن جب تکلیف آگئی تو اس کو اپنے حق میں بھی رحمت سمجھا اور اس کے ازالہ کی بھی دعا مانگی۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو کسی آزمائش میں مبتلا کر دیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ اس بندے کا رونا، اس کا پکارنا اور اس کا گریہ وزاری کرنا ہمیں اچھا لگتا ہے، اس لیے ہم اس کو تکلیف دے رہے ہیں، تاکہ یہ اس تکلیف میں ہمیں پکارے اور پھر ہم اس پکار کے نتیجے میں اس کے درجات بلند کریں اور اس کو اعلی مقام تک پہنچائیں۔

صبر کرنے والوں کو فرشتوں کا سلام:

ارشاد الہی ہے "والملئكة يدخلون عليهم من كل باب سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار"۔ (سورہ رعد پارہ۱۳/ رکوع۹)

اور فرشتے آئیں ان کے پاس ہر دروازے سے، کہیں گے سلامتی ہو تم پر بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا، سو خوب ملا عاقبت کا گھر۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

احادیث میں ہے کہ خلق اللہ میں سے اول وہ فقراء مہاجرین جنت میں داخل ہوں گے جو سختیوں اور لڑائیوں میں سینہ سپر رہتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اس کی تعمیل کے لیے ہمیشہ مستعد رہتے، دنیا کی حاجتیں اور دل کے ارمان دل ہی میں لے کر یہاں سے رخصت

ہوں گے، قیامت کے دن حق تعالی فرمائے گا میرے بندے کہاں ہیں (حاضر ہوں) جو میرے راستہ میں لڑے، میرے لئے تکلیفیں اٹھائیں اور جہاد کیا، جاؤ جنت میں بے کھٹکے داخل ہوجاؤ، پھر ملائکہ کو حکم ہوگا کہ میرے ان بندوں کے پاس حاضر ہوکر سلام کرو، وہ عرض کریں گے، خداوندا! ہم تیری بہترین مخلوق ہیں کیا ہم بارگاہ قرب کے رہنے والوں کوحکم دیتے ہیں کہ ان زمینی باشندوں کے پاس حاضر ہوکر سلام کریں، ارشاد ہوگا ہاں یہ میرے وہ بندے ہیں جنھوں نے توحید پر جان دی، دنیا کے سب ارمان اپنے سینوں میں لے کر آئے، میرے راستہ میں جہاد کیا اور ہر تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے رہے، یہ سن کر فرشتے ہر طرف سے ان کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور کہیں گے "سلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار"۔

شکر:

صبر کے بعد دوسرا مقام جس کی تحصیل فرض ہے، مقام شکر کہلاتا ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:"واذ تأذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید"۔(سورہ ابراہیم پارہ ۱۳/ رکوع ۱۴)

اور وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرمادی کہ اگر (میری نعمتوں کا) تم شکر کروگے تو تم کو خواہ دنیا میں بھی یا آخرت میں تو ضرور زیادہ نعمت دوں گا، اور اگر تم (ان نعمتوں کی) ناشکری کروگے تو یہ سمجھ رکھو کہ میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ (بیان القرآن)

یعنی موجودہ نعمتیں سلب کرلی جائیں گی، اور ناشکری کی مزید سزا الگ رہی، حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک سائل آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور عنایت فرمائی، اس نے نہ لی، یا پھینک دی، پھر دوسرا سائل آیا اس کو بھی ایک کھجور دی وہ بولا سبحان اللہ "تمرۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبرک ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاریہ کو حکم دیا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو چالیس درہم رکھے ہیں وہ اس شکر گزار سائل کو دلوادو، یاد رکھو ناشکری کا ضرر تم ہی کو پہنچے گا، خدا تعالی کا کچھ نہیں بگڑتا، اسے تمہاری شکریوں کی کیا حاجت ہے، کوئی شکر ادا کرے یا نہ کرے، بہرحال اس کے حمید ومحمود ہونے میں کچھ کمی نہیں آتی، صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے جس میں حق تعالی نے فرمایا اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے جن وانس سب کے سب ایک اعلی درجہ کے متقی کے نمونہ پر ہوجائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ بڑھ نہیں جاتا اور اگر سب اگلے پچھلے جن وانس مل کر بفرض محال ایک بدترین انسان جیسے ہوجائیں (العیاذ باللہ) تو اس سے میرے ملک میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی۔

شکر کی حقیقت:

شکر کی حقیقت یہ ہے کہ محسن حقیقی کی نعمتوں کا اس طرح اقرار کرنا کہ اس سے دل میں اللہ رب العزت کی محبت اور اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو، گویا شکر کے تین لازمی عناصر ہیں:

(۱) اس بات کا اقرار واعتراف کہ جتنی نعمتیں مجھے حاصل ہیں وہ سب کی سب اللہ تعالی کی طرف سے ہیں اور اس نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے عطا فرمائی ہیں۔

(۲) چونکہ اللہ تعالی نے مجھ پر اپنے فضل وکرم کی بارشیں برسا رکھی ہیں، اس لیے کائنات میں میرے لیے اس سے بڑا محبوب کوئی نہیں ہونا چاہئے۔

(۳) اللہ تعالی کے بے پایاں انعامات کا فطری تقاضہ یہ ہے کہ میں اپنی زندگی میں اسی کی اطاعت کروں اور اس کے مقابلہ میں کسی اور کی اطاعت نہ کروں، بہ الفاظ دیگر جو نعمتیں اس نے مجھ کو عطا فرمائی ہیں ان کو ان ہی کاموں میں خرچ کروں جو اس کی مرضی کے مطابق ہیں اور ان کاموں میں خرچ کرنے سے بچو! جو اس کی مرضی کے خلاف ہیں۔

جب یہ تین جذبات کسی انسان کے دل میں پختہ ہوجاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اس شخص نے مقام شکر کو حاصل کرلیا، پھر مقام شکر کو حاصل کرنے کے لیے ان تین جذبات میں سے بھی اصل الاصول پہلا ہی جذبہ ہے کیونکہ اگر کسی شخص کے دل میں یہ خیال پوری طرح راسخ ہو

جائے کہ اللہ تعالی کی طرف سے مجھ پر کتنی نعمتیں ہر آن مبذول رہتی ہیں، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالی سے محبت اور اطاعت کا جذبہ خود بخود پیدا ہوگا، اگر محبت اور اطاعت میں کوتاہی محسوس ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالی کی نعمتوں کا صحیح اقرار واعتراف دل میں پیدا نہیں ہوا۔

بہرحال مقام شکر کو حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اللہ تعالی کے انعامات کا صحیح اقرار واستحضار پیدا کیا جائے، عقیدۃً تو ہر صاحب ایمان اس بات کو جانتا ہے کہ تمام نعمتیں اللہ تعالی کی طرف سے آتی ہیں، لیکن مقام شکر تک پہنچنے کے لیے ضروری یہ ہے کہ یہ حقیقت خیالات میں اتنی پیوست ہو جائے کہ آدمی کو ہر وقت یہ حقیقت سامنے کھڑی نظر آئے، مختصر لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ اس حقیقت کا استحضار اتنا قوی ہو کہ اس کے ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہ رہے، بلکہ وہ اس کا مشاہدہ کرے یہاں تک کہ تکلیفوں اور پریشانیوں کے وقت بھی وہ ان سینکڑوں نعمتوں کو فراموش نہ کرے جو عین اس وقت بھی اس پر مبذول ہیں، جب انسان کو مقام شکر حاصل نہیں ہوتا تو تکلیفوں اور رپریشانیوں کے لیے اس کا احساس تیز اور نعمتوں وراحتوں کے لیے احساس نہایت سست ہو جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سینکڑوں نعمتوں اور راحتوں کے درمیان اگر اسے ذرا سی تکلیف ہو جائے تو وہ نعمتوں کو بھول کر اپنی توجہات کا مرکز اس تکلیف کو بنالیتا ہے، اور اسی کا غم لیے بیٹھا رہتا ہے، اس کے برعکس جس شخص کو مقام شکر حاصل ہو وہ چند در چند پریشانیوں میں بھی نعمتوں کا پلہ بھاری دیکھتا ہے، اور اسی وجہ سے اس حالت میں بھی اس کی زبان پر شکووں اور آہوں کے بجائے شکر ہی کے کلمات جاری رہتے ہیں۔

دولت شکر حاصل کرنے کا طریقہ:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقام شکر کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کثرت کے ساتھ اللہ تعالی کی نعمتوں پر غور کیا کرے، امام غزالی نے احیاء العلوم میں تفصیل کے ساتھ ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ جن پر غور کرنے سے انسان مقام شکر حاصل کرسکتا ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں ہے کہ نعمتیں دو قسم کی ہیں، ایک مخصوص نعمتیں جو کسی شخص کو انفرادی طور پر ملتی ہیں، مثلاً فلاں شخص بڑا عالم ہے، فلاں کے پاس اچھا مکان ہے، فلاں کو بڑی سعادت مند اولاد ملی ہوئی ہے، فلاں شخص بڑا ہر دل عزیز ہے، یہ ساری نعمتیں مخصوص نعمتیں ہیں، اس کے علاوہ کچھ عام نعمتیں ہیں، جو ہر انسان کو ہر وقت میسر ہیں، چاند، سورج، ستارے، ہوا، آگ، پانی، مٹی، جنگل، پہاڑ پھر جسم کے اعضاء آنکھ، کان، ناک، ہاتھ، پاؤں وغیرہ، اگر انسان ان تمام نعمتوں اوران کی حکمتوں پر سنجیدگی سے غور کرے تو ممکن ہی نہیں کہ انسان کو مقام شکر حاصل نہ ہو۔

لیکن چونکہ یہ ساری نعمتیں بے مانگے اللہ تعالی نے دیدی ہیں، انہیں حاصل کرنے کے لیے کوئی محنت اٹھانی نہیں پڑی، کوئی پیسہ خرچ کرنا نہیں پڑا، اس لیے انسان انہیں نعمت یا تو سمجھتا ہی نہیں یا سمجھتا ہے تو سرسری طور پر دیکھ کر گزر جاتا ہے، حالانکہ انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ اگر کسی وقت ان میں سے ایک نعمت بھی چھن جائے تو کروڑ دو کروڑ روپیہ نہیں، ساری دنیا کے تمام خزانے لٹا کر بھی کیا وہ اس نعمت کو واپس لاسکتا ہے، قرآن کریم اسی طرف اشارہ فرماتا ہے:

" ان جعل اللّٰه علیکم اللیل سرمداً الی یوم القیمة من اله غیر اللّٰه یاتیکم بضیاء افلاتسمعون ، ان جعل اللّٰه علیکم النهار سرمداً الی یوم القیمة من اله غیر اللّٰه یاتیکم بلیل تسکنون فیه افلا تبصرون"۔ (سورۃ القصص پارہ ۲۰/ رکوع ۹)

اللہ اگر رکھ دے تم پر رات ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے، اللہ کے سوائے کہ لائے تم کو کہیں سے روشنی پھر کیا تم سنتے نہیں۔ اگر رکھ دے اللہ تم پر دن ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے، اللہ کے سوائے کہ لائے تم کو رات جس میں آرام کرو، پھر کیا تم نہیں دیکھتے۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

مثلاً سورج کو طلوع نہ ہونے دے یا اس سے روشنی سلب کرلے تو اپنے کاروبار کے لیے ایسی روشنی کہاں سے لاسکتے ہو، یہ بات ایسی روشن اور اور صاف ہے کہ سنتے ہی سمجھ میں آجائے، تو کیا تم سنتے بھی

نہیں اور اگر آفتاب غروب نہ ہونے دے، ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رکھے تو جو راحت وسکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں، ان کا سامان کونسی طاقت کرسکتی ہے، کیا ایسی روشن حقیقت بھی تم کو نظر نہیں آتی۔

غرض انسان کو چاہئے کہ اولاً ان مخصوص نعمتوں پر غور کرے جن سے بہت سے افراد محروم ہیں پھر عام نعمتوں پر غور کرے جو ہر انسان کو میسر ہیں، مگر ان میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ دنیا بھر کے عقلاء، حکماء اور سائنسدان مل کر بھی چاہیں تو اس کو پیدا نہ کرسکیں، اگر وہ چھن جائے تو واپس نہ لاسکیں۔

بہر حال حق تعالی کی نعمتوں کو سوچنا اور یاد کرنا اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جاننا ضروری ہے، اس سے رفتہ رفتہ حق تعالی کی محبت ہوگی اور شکر کا درجہ کاملہ نصیب ہوجائے گا۔

"فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولاتکفرون"

❁❁❁❁❁

﴿بقیہ صفحہ ۳۹ کا﴾ "وزین لهم الشیطان اعمالهم فصد هم عن السبیل" ایسے خوبصورت انداز سے پیش کرتے ہیں کہ آدمی عش عش کرتا رہ جاتا ہے، انسان اس کی پیروی کرنے لگتا ہے اور صحیح راستے سے بھٹک جاتا ہے۔

شیطان آپ کا کھلا دشمن ھے:

شیطان کی پیروی نہیں کرنی؛ کیونکہ وہ تو آپ کا کھلا ہوا دشمن ہے، باوا آدم کے زمانے سے "انه لکم عدو مبین" اور کھلا ہوا ہے کوئی ڈھکا چھپا نہیں، تو ایسے دشمن سے حفاظت کے لیے اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اس کی پیروی نہیں کرنی ہے، اس نے تو آپ کے بڑوں کو، آپ کے باپ دادا کو بھٹکایا تھا، اور ان کو گمراہ کیا تھا، تو اس لیے ہمیں کوشش کرنی ہے، ہمیں شیطان کے نقش قدم سے، شیطان کی پیروی کرنے سے اور شیطان والے اعمال کرنے سے اپنی حفاظت کرنی ہے، اپنے نفس کی حفاظت کرنی ہے، اللہ تبارک وتعالی کے فضل وکرم سے ہمیں صحیح اسلام کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں داخل اور نافذ کرنا ہے، زندگی کے جتنے اعمال ہیں سب کے اندر داخل کرنا ہے، اور اپنی زندگی کو اسلام میں داخل کرنا ہے، اور اسلام کو اپنی زندگی میں داخل کرنا ہے، جس طریقے سے بھی کرسکیں، دونوں عمل کرنے ہیں، جہاں ضرورت محسوس ہو تو اپنی زندگی کو اسلام میں داخل کردیں، اور جہاں ضرورت محسوس ہو اپنی زندگی میں اسلام کو داخل کردیں، یہ محسوس کرنے کی ضرورت ہے اور اس احساس کی ضرورت ہے، کہ کہاں کمی ہورہی ہے۔

اور یہ ہر انسان سمجھ سکتا ہے اللہ تعالی نے عقل دی ہے، دماغ دیا ہے سوچ دی ہے، اور فکر دی ہے، اور وہ سمجھ سکتا ہے، کہ کہاں پر گڑ بڑ ہے، کہاں پر نشیب وفراز ہے، کہاں پر خامی ہے، کہاں پر کمی ہے، اس چیز کو سمجھ کر وہ اپنی زندگی کو صحیح اور درست کرسکتا ہے، اس لیے میرے دوستو! اپنی زندگی کے اندر اسلام کو سو فیصد لاگو کرو، اگر آدمی اپنے دو فٹ کے حصہ پر بھی اسلام کو لاگو کرلے، تو پوری دنیا کے اندر اسلام لاگو ہوجائے گا اور انقلاب آجائے گا۔

اپنی فکر کرنی چاھئے:

اس لیے غور کرنے کا مقام ہے کہ ہمیں اپنی فکر نہیں ہے، بلکہ دوسروں کی فکر ہے، دوسروں کی کمیوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں، دوسروں کے گناہوں پر ہم آنکھیں اٹھا کر دیکھتے ہیں، اپنے گناہوں پر، اپنی کمیوں پر نظر نہیں جاتی، اگر فکر ہوجائے ہمیں اپنے نفس کی، اگر یہ احساس ہوجائے کہ ہمیں اپنی زندگی کی اور اپنے دو فٹ کے حصہ کی حفاظت کرنی ہے، اور اس کی تربیت کرنی ہے اور اس کو شرور وفتن سے محفوظ کرنا ہے، شیطان کے نقشہ قدم سے اس کو بچانا ہے، تو پھر پوری دنیا کے اندر، پوری زندگی کے اندر انقلاب آسکتا ہے "واللّٰه غالب علی امره ولکن اکثر الناس لایعلمون"۔

اللہ تبارک وتعالی ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی زندگی کے اندر سو فیصد اسلام داخل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی زندگی کو اسلام میں داخل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

مولانا رحمت اللہ نیپالی ندوی استاد ندوۃ العلماء لکھنؤ

نام کتاب: افکار دل
مؤلف: مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی
صفحات: ۴۶۰ر
قیمت: ۱۰۰ر روپئے
ناشر: دار البحوث والنشر ،مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد

اس وقت میرے پیش نظر اپنے ہم دم دیرینہ اور رفیق درس برادرم مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد سہارنپور کی تازہ ترین تالیف ''افکار دل'' برائے تبصرہ موجود ہے، جو مؤلف کے دینی، دعوتی، اصلاحی اور فکری خطبات کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ ان کے خیالات وافکار کا آئینہ اور جذبات واحساسات کا ترجمان ہے، اور ان کی دعوتی واصلاحی کوششوں اور کاوشوں کا عکس جمیل اور علم وعمل کا پرتو ہے، چونکہ رفیق درس کی حیثیت سے طویل رفاقت رہی، اس لیے راقم ان کے علمی سفر، اس راہ میں آنے والے نشیب وفراز اور ان کے مبلغ علم اور کثرت تالیف ومضمون نگاری کے وافر جذبات سے بخوبی واقف ہے، شروع سے انہیں لکھنے پڑھنے اور ہندی، عربی اور اردو زبانوں میں انجمن اصلاح کی طرف سے منعقد ہونے والے مختلف پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور اپنی تقریری وتحریری صلاحیتوں کو سنوارنے اور نکھارنے کا خوب موقع ملا اور انہوں نے اصلاح کے اسٹیج اور مسجد کے منبروں سے بڑا فائدہ اٹھایا۔

خطبات کا یہ مجموعہ جو ۳۰ر تقریروں پر مشتمل ہے، درحقیقت وہ بدھ کے روز ہفتہ واری پروگرام میں محلے کے نوجوانوں سے خطاب ہے، یہ خطاب ان کی ادارت میں نکلنے والے رسالہ ماہنامہ ''نقوش اسلام'' میں سلسلہ وار بھی طبع ہو رہے ہیں، اور اب افادہ عام اور ان خطبات کو نقش دوام بخشنے کی غرض سے کتابی صورت میں بھی شائع ہو گئے، اللہ تعالی نافعیت اور قبولیت عطا فرمائے اور مؤلف کو مزید سرگرمی کے ساتھ دینی کاموں کو آگے بڑھانے کی توفیق سے نوازے اور انکے جملہ معاونین کو بھی باہمی ربط کے ساتھ کام کرنے کا حوصلہ اور اس کا صلہ دے۔ (آمین)

اس مجموعہ کے ۳۰ر مرکزی عنوان ہیں، اور ہر عنوان مستقل ایک خطاب ہے، مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء کا مقدمہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کا پیش لفظ کتاب کے وقار اور اعتبار کو بڑھانے کے لیے کافی ہیں، مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

محترم فاضل مقدمہ نگار تحریر فرماتے ہیں:

''مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی (وفقہ اللہ وبارک فیہ) نے جو ایک تعلیمی ودینی ادارے کے ذمہ دار اور تحریر وتقریر دونوں طریقہ سے خدمت دین کا جذبہ رکھتے ہیں، یہ اصلاحی وتبلیغی تقریریں مختلف موقعوں پر کی تھیں، جن کو ان کے چاہنے والوں نے نقل کر کے مجموعہ کی شکل میں مرتب کر دیا''۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ اپنے پر مغز پیش لفظ میں یوں رقمطراز ہیں:

''علمائے اسلام نے ہر زمانے میں اللہ تعالی کا پیغام اور ایک پاکیزہ خوش نصیب زندگی گزارنے کے لیے ہر نوعیت کی کتابیں تحریر فرمائی ہیں، ان کتابوں کو پڑھنا اور ان کے فوائد سے دامن بھرنا بھی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے مذہب کی صحیح ترجمانی اور ہر جگہ اس کی نمائندگی کر سکے۔

اس ضرورت کے ماتحت ہمارے دار العلوم ندوۃ العلماء کے فاضل جناب مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب نے پیش نظر کتاب ''افکار دل'' قرآن وحدیث کی روشنی میں تیار کی ہے، اس کتاب کے مرکزی عناوین پر ایک نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اس کی تالیف میں بڑی گہرائی اور گیرائی سے کام لیا ہے۔

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نے مؤلف کا بھرپور تعارف کرا کے اپنے بڑے پن اور اعلی ظرف کا ثبوت دیا ہے کیونکہ عموماً صاحب کتاب کا تعارف یا تو اس کا کوئی شاگرد کراتا ہے یا کوئی دوست یہ فریضہ انجام دیتا ہے۔

مولانا محترم تعارف کراتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

وہ اس وقت مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے رئیس، جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ کے مہتمم، جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات کے شیخ الحدیث، دار البحوث والنشر کے جنرل

سکریٹری اور ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے چیف ایڈیٹر ہیں، اور ان کی خدمات دینی، تعلیمی اور تربیتی میدان میں جاری وساری ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے خوب خوب کام لے۔

اس مجموعہ میں شامل مواعظ کی ایک خوبی یہ ہے کہ جیسا کہ اسلوب واعظانہ، الفاظ سادہ اور کلمات آسان اور طرز عام فہم ہے، ایک معمولی اردوخواں کے لیے بھی پڑھنا اور سمجھنا آسان ہے۔

لیکن راقم الحروف کے نزدیک کتاب کا نام بے ربط اور غیر مناسب ہے کیونکہ افکار کا تعلق دل سے نہیں، پھر افکار کے لفظ سے ذہن خطبات وتقریر کی طرف منتقل ہونے کے بجائے یہ مفہوم سمجھتا ہے کہ وہ محاضرات یا ابحاث کا مجموعہ ہے، اگر ''جذبات دل، صدائے دل، نوائے دل، درد دل، کلمات دل'' میں سے یا اس طرح کا کوئی دوسرا نام رکھا جاتا تو بہتر اور زیادہ مناسب اور موزوں ہوتا۔

بہر حال مجموعی اعتبار سے کتاب مفید ہے اور ہر واعظ وخطیب کے لیے ضرورت کی چیز ہے، امید کی جاتی ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں تہذیب وتنقیح سے کام لیتے ہوئے اس کی قدر وقیمت واہمیت میں مزید اضافہ کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ مؤلف کو مفید کاموں کی توفیق دے اور کتاب کو نافع اور مقبول بنائے۔

نام کتاب: افکار دل
مؤلف: مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی
صفحات: ۴۶۰/
قیمت: ۱۰۰/روپئے
ناشر: دار البحوث والنشر، مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد
مبصر: الحاج منشی عبد الغفور صاحب ناظم مدرسہ انوار القرآن نعمت پور

''افکار دل'' سے پہلے حضرت مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی زیدمجدہ کی علمی ادبی موضوعات پر تقریباً دو درجن کتب اکابر وشیوخ کی سوانحات اور دوسرے دینی وعلمی موضوعات پر شائع ہوچکی ہیں۔

''افکار دل'' مصنف کی مختلف موضوعات پر تیس دعوتی فکری تقریروں، ایک مقدمہ تین تقاریظ اور ایک پیش لفظ پر مشتمل ہے، عناوین بامقصد پرکشش اور دلچسپ ہیں، اس کتاب کے مطالعہ سے مصنف کے غیر معمولی علم وفضل اور معلومات عامہ نیز وسعت مطالعہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، یہ کتاب زندگی کے مختلف شعبوں میں کام آنے والے احکام واصول اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

''افکار دل'' میں ہر باذوق قاری کے لیے علم وعرفان اور جواہر پاروں کے موتی مرتب انداز میں موجود ہیں، اہل اسلام، اہل دل، اہل علم حضرات کو اس کے مطالعہ سے استفادہ کرنا چاہئے، حضرت مفتی صاحب اپنے انداز خطابت، لب ولہجہ اور مضامین کی جدت وندرت کی کشش وانفرادیت کی وجہ سے فن خطابت وانشاء اور مضمون نگاری میں منفرد وممتاز ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مفتی صاحب کو علمی ادبی ذوق جیسے اوصاف داد یہال کی طرف سے ملے ہیں۔

کتاب صوری اور معنوی ہر لحاظ سے نہایت شاندار ہے، کاغذ نفیس، کمپوزنگ عمدہ، طباعت ممتاز، جلد نہایت مضبوط، سائز بہت موزوں، چار سو ساٹھ صفحات کی ضخیم کتاب کی قیمت یک صد روپئے کافی رعایتی معلوم ہوتی ہے، یقین ہے کہ افکار دل اپنی اعلیٰ حسین خوبیوں کے باعث مقبول خاص وعام ہوکر بار بار طبع ہوگی، حضرت مفتی صاحب زیدمجدہ اس علمی ادبی دینی دعوتی اصلاحی پیشکش کے لیے شکریہ کے مستحق اور لائق داد وتحسین اور قابل مبارکباد ہیں، اللہ پاک حضرت مفتی صاحب کی اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے اور دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

نام کتاب: فقہائے گجرات اور ان کی فقہی خدمات
مرتب: مولانا عبد القیوم صاحب راجکوٹی
صفحات: ۶۳/
ناشر: شعبہ نشر واشاعت جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ ضلع بھروچ گجرات
مبصر: محمد مسعود عزیزی ندوی

اس رسالہ میں گجرات کے مرحوم فقہاء اور انکی فقہی تصانیف کا تذکرہ ہے، گجرات ہندوستان کا مردم خیز علاقہ رہا ہے، یہاں کی سرزمین سے متعدد اہل علم، فقہاء، محدثین، مصنفین، محققین اور بزرگان دین تاریخ کے مختلف ادوار میں پیدا ہوتے رہے ہیں، جنھوں نے متعدد علوم وفنون اور اصناف کمال میں دخل اور مشارکت رکھی ہے، یہ کتاب جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ میں منعقدہ انیسویں فقہی سیمینار ۱۲/ ۱۵/ فروری ۲۰۱۰ء کی مناسبت سے شائع کی گئی ہے، جس کے عناوین مندرجہ ذیل ہیں:

کلمات بابرکات، پیش لفظ، گجرات کے فقہاء وقضاۃ تاریخ کے تناظر میں، آٹھویں صدی کے فقہاء، نویں صدی کے فقہاء، دسویں صدی کے فقہاء، گیارہویں صدی کے فقہاء، بارہویں صدی کے فقہاء، تیرہویں صدی کے فقہاء، چودھویں صدی کے فقہاء، پندرہویں صدی کے فقہاء۔

کتاب کی کتابت وطباعت عمدہ معیاری اور تاریخی ذوق رکھنے والوں کے لیے بہترین چیز ہے۔ ❁❁❁

منظوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"کل نفس ذائقة الموت"

سن تاریخ وفات، حسرت آیات، عالم بے مثل، ولیٔ باصفا، شیخ طریقت، طبیب حاذق، حافظ القاری الفاضل النحریر
الحاج حضرت مولانا سید مسرت حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کے دفعتہً سانحۂ ارتحال پر

تاریخی منظوم

خراج عقیدت

تھا مسرت، حق نگر، شیریں سخن، شیریں مقام ❁ اس کو بخشا تھا مشیت نے شعورِ لازوال
کوچۂ فانی سے اٹھا، باندھ کر رخت سفر ❁ چل دیا روتا ہوا سب اقرباء کو چھوڑ کر
تھا مسیح وخضرِ منزل، مونس بے چارہ گاں ❁ اٹھ گیا دنیا سے وہ محبوب ہر پیر وجواں
بیکسوں کو، مفلسوں کو، آج وہ کر کے یتیم ❁ دارفانی سے ہوا رخصت کریم ابن کریم
اب کہاں وہ بیکسوں کا آسرا حاذق طبیب ❁ اب کہاں وہ عالم بے مثل وہ مردلبیب
معدن جود وسخا تھا، مخزن علم وہنر ❁ پرچم حق لے کے اٹھا تھا وہ اپنے دوش پر
بام ودر، رشدوہدایت سے درخشاں کرگیا ❁ نور عرفاں وطریقت کو دلوں میں بھر گیا
آج اس کے ہجر میں ہے اشک کا دریا رواں ❁ رو رہے ہیں اس کی فرقت میں زمین وآسماں
تھا جوانی میں ہی وہ شیخ طریقت بے مثال ❁ اس کو بخشا تھا مشیت نے عجب حسن کمال
جو مکرم[1] پر گزرتی ہے، کسی کو کیا خبر ❁ ڈال کر وہ بارغم، اِس پر گیا لخت جگر
ہے ادھر دل پر حسن[2] کے آہ وہ بار الم ❁ ہجر میں داماد کے ہے اس کی اب تک چشم نم
کر کے فرقت میں ظفرؔ وہ آج سب کو اشکبار ❁ دار فانی سے وہ اٹھ کر چلدیا بیگانہ وار

چل بسا جو تھا ہر اک کے خانۂ دل میں مکیں
وہ "شریف عالم مسرت" جانب خلد بریں
۷۳۱+۷۰۰=۱۴۳۱ھ

(۱) مراد حضرت مولانا مکرم حسین صاحب مدظلہ
(۲) مراد حضرت مولانا سید ریاض حسن صاحب قاسمی

نتیجہ فکر: علامہ سید عبدالعزیز ظفر جنکپوری القاسمی الحسنی، امام وخطیب شاہی مسجد، خواجہ پیر ۵۹/ ڈی فرینڈس کالونی، نئی دہلی

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

امریکی تعلیمی اداروں میں اسلام کو سمجھنے کی کوشش

واشنگٹن-امریکی تعلیمی اداروں میں تنوع اور تحقیق دونوں کو ہی بہت اہمیت دی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں اسلام کو سمجھنے اور مختلف معاشروں میں اس کے کردار کے بارے میں بحث کرنے کے لیے کیمپسز کو انتہائی موزوں جگہ قرار دیا جاتا ہے،امریکہ میں اسلام کے بارے میں بحث کے دوران ایسے خیالات بھی سننے میں آتے ہیں، جن کی بنیاد جذبات یا میڈیا کی سرخیوں میں ہوتی ہے، یہاں کے طالب علموں کا کہنا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ اس بحث میں تحقیق کو بھی شامل کیا جائے کیونکہ میڈیا کے ذریعہ بحث اب ان کی زندگی کا حصہ بن چکی ہے،بعض لوگوں کے مطابق اسلام، مسلم دنیا اور امریکہ کے درمیان تعلق پر کی جانے والی بحث کیا رنگ اختیار کرتی ہے،اس میں امریکی سیاست اور خارجہ پالیسی کا کردار بھی قابل غور ہے۔

مرکز میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی اورحضرت مولانا محمد حشیم صاحب مہتمم مدرسہ صولیتہ مکہ مکرمہ کی تشریف آوری

۲۷/دسمبر ۲۰۱۰ء بروز پیر کو حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب صاحبزادہ وجانشین شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کاندھلوی اور مولانا محمد حشیم صاحب ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ تشریف لائے۔

جن کے استقبال میں مرکز کی جامع مسجد میں ایک عوامی پروگرام منعقد کیا گیا، جس میں بستی کے کافی لوگوں نے شرکت کی اور مرکز کے تمام طلبہ واساتذہ شریک رہے، پہلے مرکز کے روح رواں مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب نے دونوں بزرگوں کا تعارف کرایا،اس کے بعد حضرت مولانا حشیم صاحب نے قرآن کی تعلیم وتدریس پر تفصیل سے تقریر کی۔

اس کے بعد حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی نے بیان فرمایا،جس میں انہوں نے اس بات کی تاکید کی کہ بچو! اپنے اندر ایثار کا جذبہ پیدا کرو،اگر کوئی تمہارا ساتھی تم سے کوئی بات پوچھے تو اس کو فوراً بتلا دیا کرو بشرطیکہ تم جانتے ہو، اور اپنی زندگی کے بعض تجربات تفصیل سے بتلائے ، اس کے بعد حضرت مولانا نے دعا کرائی، پھر تھوڑی دیر کے لیے جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات میں تشریف لے گئے اور حضرت مولانا حشیم صاحب نے اندر سے پردہ کرا کے پورے مدرسہ کا معائنہ کیا اور مندرجہ ذیل تأثرات لکھ کر تشریف لے گئے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج بروز پیر مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، محترم مولانا مفتی مسعود عزیزی ندوی صاحب کی خدمات دیکھ کر خوشی اور مسرت ہوئی ،اللہ تعالی اس مرکز کی ترقی کے اسباب ووسائل پیدا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ علم وتعلیم کی نشر واشاعت کی توفیق عطا فرمائے اور قدم قدم پر مدد، واعانت اور نصرت فرمائے۔آمین

۲۰/محرم الحرام ۱۴۳۲ھ — محمد حشیم عثمانی

محمد طلحہ کاندھلوی — مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، وارحال ہندوستان

وفیات

۸/دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق بروز بدھ مطابق یکم محرم الحرم کی صبح کو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا اپنی اعلی خصوصیات وصفات، اپنے اخلاق وکردار، اپنے انتظام وانصرام کی وجہ سے تقریباً ۳۰/سال تک اہتمام کے عہدہ پا فائز رہے اور انہوں نے اس طویل دور میں اپنی بیدار مغزی کا ثبوت پیش کیا۔

موصوف نہایت سنجیدہ مزاج کے مالک تھے، ان کی عمر ۹۷/سال کے لگ بھگ تھی، پسماندگان میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے، اللہ تعالی مولانا کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔آمین

۵/جنوری ۲۰۱۱ء بروز بدھ کی رات کو جناب حافظ عباس صاحب محرر مالیات مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور کا انتقال ہوگیا ہے ۔انا للہ وانا الیہ راجعون ،موصوف نہایت ہی خلیق ،ملنسار،شفیق اور خوش مزاج آدمی تھے،اللہ تعالی ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے۔آمین

تمام قارئین سے گزارش کرتا ہے کہ مرحومین کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرما کر بلند درجات نصیب فرمائے۔(ادارہ)